کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:8 Issue:8 August 2015

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

پیش گفتار	ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان	مدیر	۵
درسِ قرآن	کفار ومشرکین کیا چاہتے ہیں؟	مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ	۱۵
درسِ حدیث	سات چیزوں کے آنے سے پہلے اچھے اعمال کرلو	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	۱۸
گوشۂ خواتین	اللہ کو وہ زندگی زیادہ پسند ہے جس میں استقامت ہو	مفتی محمد احمد علی قاسمی	۲۳
اصلاحِ معاشرہ	کیا غیبت کرنا گناہِ کبیرہ ہے؟	مولانا اسماعیل ذبیح اللہ عاقل قاسمی	۲۶
دعوتِ فکر وعمل	ذمہ دارانِ مدارس کی خدمت میں	مولانا رشید احمد سعدی	۲۹
"	متی نصر اللہ؟ کب آئے گی اللہ کی مدد؟	جناب ابن غوری صاحب	۳۵
تعاقبِ فرقِ باطلہ	فتنۂ انکار حدیث اور اسباب وعلل	مولانا محمد کبیر الدین قاسمی	۳۷
شخصیات	حیات شیخ الاسلام کے تابندہ نقوش	مولانا عبد الرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۰
تاثرات	دین میں غلو وتقصیر کی مذمت	حضرت مولانا محمد عبد القوی مدظلہٗ	۴۵
احوال وکوائف	ادارہ کے شب وروز	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۴۹
خبرنامہ	عالمِ اسلام کی خبریں	مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

پیش گفتار

ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان

از: مدیر

ہندوستان کی سرزمین سے مسلمانوں کا وطنی تعلق دیکھا جائے تو پیغمبر اول سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ورودِ مسعود ہی سے چلا آرہا ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انسانی آبادی کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے ہوئی ہے، ارشاد ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ

(سورۃ النساء:۱)

اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا، اور اس سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا، اور ان دونوں کے ذریعہ بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں تاریخ بتلاتی ہے اور بعض حدیثوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنت سے جب انہیں ارضِ خاکی پر اُترنے کا حکم ملا تو وہ جس خطۂ ارض پر قدم رنجہ ہوئے وہ ہندوستان کی سرزمین ہی تھی اور سراندیپ کہلاتی تھی، ان کی زوجہ سرزمینِ حجاز پر رونق افروز ہوئیں اور ان دونوں کی ملاقات کہا جاتا ہے کہ بلد اللہ الامین کی مقدس وادی عرفات میں واقع جبلِ رحمت پر ہوئی؛ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان کے ساتھ ساتھ پہلے نبی بھی تھے جو ان کی ذریت یعنی اولادِ آدم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے؛ اور ظاہر ہے کہ ان کی دعوت تمام نبیوں کی طرح توحیدِ باری، رسالت، اور آخرت کے بنیادی عقیدوں ہی کی جانب تھی جو تمام مسلمانوں کے عقائد کی اساس ہیں؛ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نبیٔ اول وابوالبشر سیدنا

حضرت آدم علیہ السلام اور پیغمبر آخر وافضل البشر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور ان کی امتوں کے درمیان عقیدے کی وحدت نے یکسانیت پیدا کردی، اسی وجہ سے مسلمانانِ عالم کا رشتہ سرزمینِ ہند کے ساتھ روزِ اول سے قائم ہے، اور جب وہ ہمارے جدامجد کا وطن قرار پایا تو ہمارا بھی وطن مالوف بن گیا اور جب اس سرزمین کو پہلے پیغمبر کی بعثت، پہلی وحی کے نزول، پہلی عبادت کے قیام اور پہلی دعوت کے میدان ہونے کا شرف حاصل ہوگیا تو مسلمانوں کی نظر اور عقیدے میں اس کا تقدس اور اس کا احترام بھی ناقابلِ انکار ہوگیا؛ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا پہلا دارالخلافہ جس میں اولین خلیفہ خداوندی آدم علیہ السلام نازل ہوئے وہ ہندوستان ہی تو ہے؛ کیوں کہ آدم علیہ السلام جنت سے "سراندیپ" کے جزیرے میں ایک وادی کے اندر اترے ہیں، جو پہلے ہندوستان ہی میں تھا؛ چنانچہ ابن جریر، ابن حاتم اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے اور اُسے صحیح کہا ہے کہ:

"سب سے پہلے اللہ نے آدم علیہ السلام کو سرزمینِ ہند میں اُتارا" اس وادی کی فضیلت میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "لوگوں میں سب سے بہترین وادی وادیٔ مکہ ہے (جس میں بیت اللہ ہے) اور سرزمینِ ہند کی وہ وادی ہے جس میں آدم علیہ السلام اُترے۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے اول ہندوستان ہی کو اپنا وطن بنایا، گویا دنیا کی پہلی آبادی ہندوستان ہی سے شروع ہوئی؛ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں، اس لئے پہلا دارالنبوۃ ہندوستان ٹھیرتا ہے جیسا کہ آخری دارالنبوۃ حجاز ہے۔۔۔۔۔۔۔؛ اللہ تعالیٰ کا پہلا قانونِ ہدایت ہندوستان ہی میں آیا اور یہیں سے وہ دین شروع ہوا جس کی تکمیل بالآخر حجاز میں ہوئی؛ جبرئیل امین وحی لے کر سب سے پہلے ہندوستان ہی میں اُترے، پہلی اذان ہندوستان میں ہوئی جس میں توحید کا اعلان ہوا، جیسا کہ روایت میں موجود ہے؛ پہلے نبی کو آخری نبی کے آنے کی بشارت ہند ہی میں دی گئی؛ حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا علیہا السلام کو لے کر حجاز سے لوٹے تو اسی وادی میں آئے جس میں نزول ہوا تھا اور وہیں اپنے رہنے کیلئے گھر بنایا، یعنی ہندوستان پہلے نبی کا وطن ہے، و کفی بہ فخراً؛ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی وجی (سراندیپ) ہی میں ہے، اور حدیث سے ثابت ہے کہ آدمی کی قبر اسی جگہ بنتی ہے جہاں کی مٹی سے اسکا خمیر تیار ہوتا ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ خاکِ پاک ہند ہی نے پیغمبری کی بنیاد رکھی؛ حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس حج کئے اور ایک حج کے لئے تو بیل پر سوار ہوکر گئے۔

پس اگر حجاز اس لئے مقدس ہے کہ آخری نبی کا مولد ومنشا اور وحیٔ قرآنی کے نزول کی جگہ ہے، اور

اگر شام اس لئے مقدس ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل کا مولد ومنشا ہے، اور اگر مصر اس لئے مقدس ہے کہ اسے موسیٰ علیہ السلام سے نسبت حاصل ہے، اور اگر عراق اس لئے مقدس ہے کہ اسے ابراھیم علیہ السلام سے نسبت ہے تو بلا شبہ ہندوستان اسلئے مقدس ہے کہ اسے حضرت آدم علیہ السلام سے نسبت ہے، پہلی وحی کا مہبط ہے، نبوت کی پہلی تعلیم گاہ ہے، اور دار الخلافۃ ہے، اور اسلئے بھی مقدس ہے کہ وہ حضرت شیث علیہ السلام کا وطن ہے جو آدم علیہ السلام کے جلیل القدر بیٹے اور ان کے خلیفہ ہوئے ہیں، جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنازے کی نماز پڑھائی ہے اور اسلئے مقدس ہے کہ وہ نوح علیہ السلام کا وطن ہے؛ سینکڑوں اہل اللہ کے مکاشفات بھی ہیں جن سے ہندوستان میں مختلف انبیاء کے قبروں اور آثار کے موجود ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔

بہر حال اس طرح ہندوستان کے شرعی فضائل سے اس کی تقدیس ثابت ہوتی ہے، پس اگر وہ ہندوؤں کے نزدیک مقدس سرزمین ہے تو مسلمان بھی اس کی تقدیس ماننے میں ان سے کم نہیں؛ فرق اتنا ہے کہ وہ بلا سند محض سنے سنائے قصے کہانیوں پر اس کی تقدیس کرتے ہیں اور مسلمان سند اور ثبوت کے ساتھ اور بھروسہ مند تاریخی حوالوں سے اس کے تقدس کے قائل ہیں"۔ (اسلام اور فرقہ واریت)

جہاں تک بعثتِ محمدی کے بعد اہل اسلام اور اہل ہند کے تعلقات کا معاملہ ہے تو تاریخ کی مختلف تحقیقات کو سامنے رکھ کر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی کے اواخر میں یا اس کے معاً بعد اسی جزیرۂ سراندیپ ـــــ جس میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا نزول اور بعثت ہوئی تھی ـــــ کے دو افراد اسلام کی دعوت اور پیغمبر اسلام کی شخصیت کو سمجھنے اور صحیح معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اپنے وطن سے نکل کر حجازِ مقدس کی طرف روانہ ہو گئے تھے، مگر اس زمانے کی سفری صعوبتوں اور دشواریوں کی وجہ سے مدینہ منورہ پہونچنے پہونچنے تک عہدِ فاروقی کا آغاز ہو چکا تھا؛ اس ہندوستانی وفد نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور اسلامی تعلیمات اور خلیفۂ اسلام کے عمدہ اخلاق سے بہت متاثر ہوئے، ان تاثرات ومعلومات کو لے کر وطن واپس ہو گئے، تاریخ بتاتی ہے کہ حکومتِ سراندیپ عالمِ اسلام سے خوشگوار اور دوستانہ تعلقات کی خواہشمند تھی مگر قرب وجوار کے بعض حکام اور حالات اس میں مانع رہے۔

ہندوستان کو ممالک محروسۂ اسلامیہ میں شامل کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلی جد وجہد تاریخ کے مطابق عہدِ فاروقی کے دوران ہجرت کے پندرھویں سال ہی شروع ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں ہندوستان کی چند آبادیاں مفتوح ہو کر حکام اسلام کی باج گذار ہو گئی تھیں؛ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا تا آنکہ پورا برِ صغیر ـــــ جو اب چند ملکوں میں منقسم ہے ـــــ باقاعدہ طور پر مسلم حکم رانوں کے ماتحت ہو گیا؛ جس کی ابتدا محمد بن

قاسم الثقفی سے ہوئی اور انتہا بہادر شاہ ظفر پر؛ درمیان میں غزنوی، غوری، غلام، خلجی، لودھی، سوری اور مغل سلاطین یکے بعد دیگرے ہندوستان کے تخت وتاج کے بلاشرکت غیرے مالک اور پورے ملک پر حاکم رہے، وقفے وقفے سے مرکزی حکومت کمزور بھی ہوتی رہی اس دوران بعض علاقائی خودمختار حکومتیں قائم و با اثر رہیں، جن میں گجرات، اودھ اور دکن کی حکومتیں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں؛ مختصر یہ کہ مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف پانچ سال کے اندر ہندوستان میں داخل ہوئے اور سن ۱۵ ہجری یعنی ۶۳۶ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کوئی بارہ سو سال تک ابتدا میں محدود و مخصوص علاقوں پر پھر اس کے بعد پورے برِصغیر پر جاہ وجلال اور حشمت وشوکت کے ساتھ حکم رانی کرتے رہے، اس دوران بغاوتوں اور مقابلوں کا بھی سامنا ہوتا رہا مگر انہوں نے کبھی ہمت نہ ہاری اور بزدلی نہ دکھائی، ان سلاطین میں بعض ناخدا ترس اور تعیش پسند بھی تھے مگر اکثر رعایا پرور اور خلیق و مدبر تھے، بالخصوص ابتدائی دور کے سلاطین۔

یہ مسلم حکم راں چوں کہ بلند ہمت، باحوصلہ اور جنگ جو طبیعت کے حامل تھے تو دوسری جانب ان میں سے اکثر رعایا پرور، انسانیت نواز، انصاف پسند اور ظلم و جبر سے دور بھی تھے اس لئے اگرچہ راجوں مہاراجوں نے ان سے اپنے علاقے واپس لینے کی جان توڑ کوششیں کیں اور کبھی کامیاب کبھی ناکام ہوئے مگر عوام الناس ان حکم رانوں سے عام حالات میں کبھی ناراض نہ رہے، اس لئے کہ عوام کو پُرامن زندگی مطلوب ہوتی ہے جو مسلم حکمرانوں کی حکم رانی میں انہیں بہ آسانی میسر تھی کیوں کہ حکم رانوں نے عوام سے کچھ زیادہ تعرض نہ کیا تھا، بلکہ دین پسند حکام وسلاطین نے تو تمام غیر شرعی محاصل منسوخ کر کے رعایا کو مزید راحت پہونچائی تھی؛ نیز اہل مذہب کو مذہب تبدیل کرنے پر کبھی مجبور نہ کیا گیا تھا اگرچہ اہل اسلام ـــــ علماء، صوفیاء، اور تجار ـــــ کے اخلاقِ حسنہ اور معاملات کی صفائی سے متاثر ہو کر بہت سے کفار ہندوستان میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر حکام کے ظلم و جبر نے (اکا دُکا واقعات کے علاوہ) کبھی ان پر تبدیلیٔ مذہب کے لئے زور نہیں ڈالا تھا؛ اسی لئے مسلم حکم راں یکے بعد دیگرے تختِ سلطنت پر متمکن ہوتے اور داد سلطنت حاصل کرتے رہے۔

اس بارہ سو سالہ طویل عرصے میں ملک کے جس علاقے میں بھی مسلمانوں نے حکم رانی کی ان علاقوں میں اسلامی شعار غالب رہے؛ بود و باش، تہذیب و تمدن، اور زبان و بیان اسلامی روایات اور مسلم تہذیب و ثقافت کے رنگ میں رنگتے چلے گئے، باوجود تمام مذاہب اور تہاذیب برقرار رہنے کے بھی تختۂ اقتدار پر مسلم حکمرانوں کے متمکن رہنے کی وجہ سے ایک طرح کا اسلامی ماحول قائم ہوا اور عرصۂ دراز تک قائم رہا، حکومت سے لے کر عدالت تک ہر جگہ اسلام کا پرچم لہراتا رہا؛ مسلمانوں کے مقابلے میں دیگر اقوام پر محکومیت کی نفسیات غالب تھیں اور مسلمان ان کے مقابلے میں حاکمیت کا احساس رکھتے تھے، اس غالبیت و حاکمیت کی نفسیات نے آگے چل کر

مسلمانوں کے عام طبقے کو احکامِ اسلامی سے غافل اور امراء وسلاطین کو عیش کوشی وخرمستی کا خوگر بنا دیا تھا؛ علماء ووعاۃ متملق اور مشائخ ومصلحین جاہ پسند ہو گئے تھے، اصلاحِ امت اور دین کی دعوت کا کام کرنے والے خال خال رہ گئے تھے وہ بھی اپنے اپنے دائرے اثر وعقیدت میں محدود تھے۔

مسلمانوں کے ہندوستان کے ساتھ قدیمی تعلق پھر اس میں فاتحانہ دخول، عروج اور زبردست وشاندار حکم رانی ـــــ جس کے نتیجے میں علاقائی محدود ومختصر رجواڑوں پر مشتمل پسماندہ ہندوستان دنیا کے مقبول ومتمول ممالک میں شمار ہونے لگا اور جس کی مادی وسماجی اور تہذیبی ترقی نے اسے ''سونے کی چڑیا'' بنا کر دنیا بھر کے سلاطین وحکم رانوں کی نظر میں انتہائی وقیع بنا دیا تھا ـــــ کی مختصر اور محض اشاریاتی تاریخ اس لئے نقل کی گئی ہے کہ قارئین بہ آسانی سمجھ سکیں کہ زوال ہندوستان اور سقوطِ سلطنتِ مغلیہ کا اثر سب سے زیادہ مسلمانوں پر کیوں ہوا، اور غاصب فرنگیوں کے دامِ تزویر اور ناجائز اقتدار سے ملک کو آزاد کرانے کے واسطے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ قربانیاں دینے پر مسلمانوں ہی کو کیوں مجبور ہونا پڑا؛ اب ہم مسلم حکومتوں کے زوال، فرنگیوں کے غلبے اور پھر جدوجہد آزادی سے متعلق مرحلہ وار مختصر تاریخ دہراتے ہیں۔

اگرچہ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری واسیری ۱۸۵۷ء میں ہوئی مگر عملی طور پر زوالِ سلطنت کا آغاز اسی وقت سے ہو چکا تھا جبکہ ۱۴۹۸ء میں غاصب وجفاپیشہ پرتگالی قوم ''واسکوڈی گاما'' کی قیادت میں تجارت کے بہانے کالی کٹ پہونچی، بار بار کی ناکامیوں کے باوجود سعیٔ پیہم کے بعد سولہویں صدی عیسوی میں جنوبی ہندوستان کے ساحل ''گوا'' میں پھر گجرات میں ظلمت افروز ہوئی تھی؛ پرتگالیوں کے علاوہ اسی زمانہ میں ولندیزی، فرانسیسی، اور انگریزی اقوام بھی بُری نیت لئے مختلف بہانوں سے ہندوستان میں داخل ہو کر اپنے قدم جمانے اور ہندوستانی حکومت کا شیرازہ بکھیرنے کے جرائم میں مشغول رہے؛ مسلمانوں کے ساتھ بے جا تعصب اور ناروا ظلم وزیادتی کرتے رہے، اُن کے کاروبار خراب کرنے، اُن کی ذوات کو نقصان پہونچانے ان کی مساجد ومساعی کو برباد کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتے رہے؛ پھر جب ۱۶۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام اور گرم مصالحے کی تجارت کے عنوان سے برطانوی انگریزوں نے ہندوستان میں مضبوط قدم جمائے اور فتح ہندوستان کی مستحکم ومکر انگیز تحریک شروع کی تو ان کی مسلسل سازشی حرکت اور جوڑ توڑ کی سیاست نے ہندوستان کی طاقتور حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھدی تھی۔

یہ دور جہانگیری کی بات ہے کہ انگریزوں کو باقاعدہ طور پر ملک میں اپنی کمپنی قائم کرنے کی اجازت ملی تھی، اس کا نہوں نے ناجائز فائدہ خوب اٹھایا، مزید برآں حکومت کے اندر بھی مختلف داخلی فتنے اٹھتے اور سیاسی اٹھا پٹک چلتی رہی، جس کی وجہ سے سلاطین کی زیادہ تر توجہ انہی معاملات کی جانب رہی، اس کا بھی انگریزوں نے

بھرپور فائدہ اٹھایا؛ پھر جب اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ہندوستان کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو انہوں نے بڑی محنت وحکمت سے جلد ہی نہ صرف سیاسی استحکام پیدا کیا بلکہ مملکت کے حدود میں کافی توسیع بھی حاصل کی؛ مگر جب ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا وصال ہوا اور شہزادوں کے درمیان اتحاد نہ رہ سکا تو دیکھتے دیکھتے ملک کا سیاسی استحکام مضمحل ہوتا چلا گیا، جن صوبائی وعلاقائی خودمختاریوں کو اورنگ زیب نے ختم کر کے ایک بسیط وملک گیر حکومت قائم کی تھی وہ پھر سے سر اُبھارنے لگیں، ادھر انگریز تختۂ اقتدار پر قبضہ کے لئے پر تولنے اور جوڑ توڑ کے ہتھکنڈے استعمال کرنے میں برابر مشغول تھے، اس اثنا میں انگریزوں نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں خاصا استحکام اور مضبوط قوت بھی حاصل کر لی تھی، شاہی اقتدار کی کمزوری اور طوائف الملوکی نے ان کی ہمت کو مزید مضبوط اور امیدوں کو روشن کیا۔

اس آرزو کی تکمیل میں انگریزوں کے لئے بنگال کے فدائے وطن نواب سراج الدولہ اور میسور کا شیر آزادی سلطان ٹیپو کے علاوہ اور کوئی مانع نہ تھا، انہوں نے پہلے بنگال پر قوت آزمائی کی، حکومت میں چاپلوسیوں کے ذریعے اپنے لوگوں کو داخل کیا، سیاسی تدابیر سے فراغت کے بعد حربی کاروائی شروع کی، ساتھ ہی ساتھ رشوتوں کے ذریعہ نواب کے غداروں کی ایک ٹیم بنائی، جب باقاعدہ جنگ چھڑی تو بے چارے نواب صاحب ان سہ رخی حملوں کی تاب نہ لا سکے، اپنے ہی وزیر اور پھوپھا میر جعفر کی غداری وانگریز نوازی کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر بے بسی کی موت مرنے پر مجبور ہو گئے؛ ۱۸۵۷ء میں سراج الدولہ کے خطرہ سے فارغ اور بنگال کی شاندار اور دولت مند حکومت پر قابض ہونے کے بعد انگریزوں نے اپنے دوسرے حریف میسور کے شیر نر کی طرف توجہ کی، ٹیپو کی تاریخ ہر مسلمان کو پڑھنی چاہیئے، جنوبی ہندوستان کے اس غیرت مند، اپنے ملک ومذہب کے سچے خیرخواہ، اور رُستمِ زمانہ سے انگریزوں کے حلقے ہندوستان سے لے کر انگلستان تک مبہوت اور خوف زدہ تھے، سارے ہندوستان کو اپنے تابع فرماں کر لینے کے باوجود وہ اپنے کو ہندوستان کا مالک ومختار اس وقت تک نہ کہہ سکے تھے جب تک کہ ٹیپو سلطان کی شہادت کا اطمینان نہ کر لیا تھا؛ ٹیپو بڑی حکمتِ عملی سے انگریزوں کے خطرے کو ٹالنے اور ناجائز قبضے کو برخاست کرنے کے منصوبے اور عزم پر قائم تھے، انہوں نے داخلی طور پر ہندوستانی صوبوں کے ہر حکمراں کو اور قرب وجوار کے تمام بیرونی ممالک کے سربراہان کو انگریزوں کے تسلط کے خلاف ہم نوا بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی؛ لیکن چاپلوس اور تعیش پسند حکمرانوں کو خانہ بردوش اور پرعزم وحوصلہ اس مردِ مجاہد کی مدد کرنے کا ذرا خیال نہ آیا، بلکہ اس کے پڑوسی یعنی پونا کے مرہٹی اقتدار اور دکن کی نظام شاہی حکومت نے تو باقاعدہ اس کی حریف اور انگریزوں کی وفادار بن کر بے شرمی کا ثبوت دیا؛ بالآخر ۱۷۹۹ء میں حریتِ اسلام اور آزادیٔ وطن کے اس قابل رشک ولائق فخر سپوت نے یہ کہہ کر جامِ شہادت نوش کر لیا کہ ''

گیدڑ کی سو برس کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے''؛ سپاہیانہ لباس ملبوس اور مجاہدانہ جذبات سے معمور ہو کر ظالم انگریزوں سے دو بہ دو مقابلہ کرتے ہوئے جان قربان کر دینے کے پیچھے ان کا معتمد علیہ اور بھروسہ مند شخص غدار قوم وملت میر صادق ہی کا ہاتھ تھا؛ بہر حال! ٹیپو کی شہادت ہندوستان کے بارہ سو سالہ جاہ وجلال اور اقتدار کی تابوت میں آخری کیل تھی جس کے بعد انگریزوں نے چین کا سانس لیا اور'' آج سے ہندوستان ہمارا ہے'' کا نقارہ بجایا۔

دہلی کی مرکزی حکومت علاقائی حکام کی بغاوتوں اور انگریزی استعمار کی سازشوں کے نتیجے میں بے یار و مددگار ہو کر صرف تخت وتاج کی مالک اور دشمنوں کے رحم وکرم کی محتاج رہ گئی تھی، بہادر شاہ ظفر کی رہی سہی قوت بھی جواب دے گئی تھی اور وہ انگریزوں سے مصالحانہ تعلق اور عطا وسخا پر جیتے ہوئے برائے نام بادشاہ تھا، ۱۸۰۳ء میں دہلی کا سقوط ہو گیا اور کمپنی بہادر نے عملی طور پر اقتدار حاصل کر لیا، بادشاہِ وقت کو صرف قلعے کے حدود میں محدود رہنے اور شہری مسائل میں قطعاً دخل نہ دینے کا پابند کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی بارہ سو سالہ حکم رانی کی اس دُرگت کو دیکھ کر اور اس کے نتیجے میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تاریک مستقبل کے تصور سے ہندوستانی علماء خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہؒ غیر معمولی مغموم ومتفکر تھے، شاہ صاحبؒ نے اس سلسلے میں ہر ممکن رُخ سے سوچا مگر بات اب بہت دور جا چکی تھی اور بظاہر حالات عظمتِ گذشتہ وشوکتِ رفتہ کو بحال کرنے کے کوئی اسباب سامنے نہ تھے؛ ۱۸۰۸ء میں اسی عظیم وعلمی خانوادے کے چشم وچراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے غیر ملکی انگریز قابضین کو ملک سے بے دخل و بے اثر کرنے کے لئے ان کے خلاف جہاد کا باقاعدہ فتویٰ صادر فرمایا، اور اپنے زیر تربیت تلامذہ ومتعلقین کو اس فریضے کی ادائیگی پر اُبھارا؛ جس کے نتیجے میں سیدین شہدین ـــــ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ ـــــ کی پُرعزم وتاریخ ساز حرکت وجود میں آئی اور ۱۸۳۱ء تک مختلف نشیب وفراز سے گذرتی رہی، ان حضرات نے ہمت نہ ہاری مگر مقصد میں پیش رفت کے بجائے شہادت سے ہمکنار ہوتے چلے گئے؛ انگریزوں کی جانب سے جذبۂ حریت وآزادی کو کچلنے کے لئے ترغیب وترہیب اور جوڑ وتوڑ کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا بلکہ ظلم وجور اور جبر واستبداد کا استعمال بھی ہوتا رہا؛ غرض پرستوں اور ابن الوقتوں کی مدد سے انہوں نے خوب کھیل کھیلے اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی تمام علاقائی حکومتوں کو ہم نوا اور زیر اثر بنانے میں کامیاب ہوتے رہے یہاں تک کہ دہلی پر قبضہ جما لیا؛ ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ کی مکمل بے دخلی اور گرفتاری کے بعد ہندوستان پر ملکۂ برطانیہ کا اقتدار باقاعدہ اور مکمل ہو گیا، لال قلعہ پر یونین جیک لہرا دیا گیا۔

انگریزوں نے دہلی پر قابو پانے کے بعد پورے شہر کو تختۂ دار اور مقتل بنا کے رکھ دیا، ۲۷ ہزار علماء کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا، ۵ لاکھ مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور جو جو ظلم و بربریت کی صورتیں اختیار کی جاسکتی تھیں وہ سب مسلم علماء و امراء اور انگریز مخالف عوام پر آزمائی گئیں، جن کی دردناک تفصیل میں جانا ناقابلِ تحمل ہے؛ علماء ہند اور مسلم قوم نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور باوجود ان مظالم کے کبھی انگریزی اقتدار سے راضی ہوئے نہ سمجھوتے کے لئے تیار ہوئے، ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ ہندوستان ہندوستانیوں کے حوالے کر دیا جائے، اس مطالبے کا کوئی متبادل نہیں ہوسکتا؛ اس سلسلے میں آخری کوشش کے طور پر حضرت حاجی امداد اللہؒ نے بھی اپنے متوسلین، تلامذہ کے ساتھ شاملی اور اس کے اطراف میں انگریزوں سے زبردست ٹکر لی مگر انگریزوں نے بے تحاشا مظالم کے ذریعہ اس تحریک کو بھی ناکام بنا دیا؛ حالات کی روشنی میں اس جماعت نے یہ مناسب سمجھا کہ محدود اسباب و وسائل کے ساتھ ایک طاقتور غاصب قوم سے یوں ٹکراتے رہنے کا نتیجہ کام کے لوگوں سے ہاتھ دھولینا اور مسلمانوں کو کمزور کر دینا ہے، اس لئے جدوجہد کا رُخ علمی محاذ کی طرف موڑ کر جمعیت اور جماعت کو مضبوط کیا جائے اور دشمن سے مقابلے کے لئے عسکری محاذ ترک کر کے فکری محاذ کو زندہ کیا جائے، چنانچہ حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ نے ۱۸۶۶ء میں اپنے رفقاء و اکابر کے منشاء کے مطابق دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں لایا، اسی زمانے میں مظاہر علوم سہارن پور بھی قائم ہوا، پھر اس کے ماتحت دیگر مقامات پر بھی مدارس کا جال پھیلانا شروع کیا گیا مگر دارالعلوم دیوبند کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوئی؛ جہاں سے ایک طرف میراثِ نبوت کی حفاظت و تقسیم شروع ہوئی تو دوسری جانب آزادئ وطن کی جدوجہد کی نئے سرے اور مضبوط منصوبے کے ساتھ نشاۃِ ثانیہ و آخرہ وجود میں آئی؛ دارالعلوم کی تحریک کے علاوہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ سے ثمرۃ التربیت، جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف القرآنیہ، جمعیۃ حزب اللہ اور الجنود الربانیہ وغیرہ تحریکیں عمل میں لائی گئیں جن کا بنیادی مقصد ملتِ اسلامیہ ہندیہ کو خوابِ غفلت میں پڑنے اور غلامی و محکومی کے طوق گلے میں ڈال لینے سے روکنا اور دشمن کے مکائد و مکارہ سے چوکنا رکھنا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے تعلیمی خدمات کے علاوہ ملی و مُلکی خدمتوں میں سرگرم حصہ لینا شروع فرمایا، پھر ملک کے میں دیگر قائدین و عمائدین بھی قوم کی شعور بیداری میں اس قدر سرگرم عمل رہے کہ انگریز مخالف جذبات قوم کے اندر ٹھنڈے پڑنے کے بجائے گرم ہی ہوتے چلے گئے؛ ۱۸۶۶ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک کوئی نصف صدی سے زائد عرصے میں حضرت شیخ الہندؒ اپنی نوارنی و ایمانی بصیرت سے اس بات کی مسلسل سعی فرماتے رہے کہ ہندوستان میں خلافتِ اسلامیہ کی کسی طرح بحالی ہوجائے، اس کے لئے آپ نے جو مساعیٔ جمیلہ فرمائی ہیں ان میں "ریشمی رومال" کی تحریک کو خاص اہمیت حاصل تھی؛ تاہم

اس تحریک کے لبِ بام پہونچنے سے عین قبل ایک نومسلم کی نادانی سے اسکی کمند ٹوٹ پڑی اور شریفِ مکہ کی مدد سے انگریزوں نے آپ کو اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے ''مالٹا'' میں قید کر دیا، اِدھر خلافتِ عثمانیہ کی کشتی بھی ہچکولے کھاتے ہوئے بالآخر شکست کے دریا میں ڈوب گئی۔

شیخ الہندؒ کی گرفتاری سے ہندوستانی مسلمانوں کے حوصلے کمزور پڑنے لگے، تاہم ان کی جماعت قدرتِ خداوندی سے مایوس نہ تھی، ۱۹۱۷ء میں اسیرانِ مالٹا کی رہائی کے واسطے ایک تنظیم تشکیل دی گئی ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں جشنِ صلح کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا؛ اور اسی سال جدوجہد آزادی میں گرمی وشدت پیدا کر کے اور منظم جدوجہد کرنے نیز ہندوستانی مسلمانوں کے دین وایمان کا تحفظ کرنے کے واسطے ''جمعیۃ علماء ہند'' کا قیام عمل میں لایا گیا؛ ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علماء اور خلافت کانفرنس نے مشترکہ طور پر انگریزوں کے ساتھ موالات وتعلقات ترک کرنے کا فیصلہ کیا؛ اسی سال '' جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کا قیام عمل میں آیا اور حضرت شیخ الہندؒ انتہائی فریش ہونے کے باوجود چارپائی پر لیٹے ہوئے اس کے افتتاح کے لئے دہلی پہونچے؛ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی دور اندیشی سے مالٹا سے واپس آنے کے بعد آزادی کی یک قومی جدوجہد کو بین قومی جدوجہد میں تبدیل کر دیا، اس کے لئے مسٹر گاندھی کا انتخاب کر کے ہندو مسلم متحدہ محاذ قائم کرنے میں کامیابی حاصل فرمائی؛ ۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ الہندؒ اور تحریک کے دیگر قائدین کو انگریزی حکومت نے دوبارہ گرفتار کر لیا؛ آزادی ملک اور انگریزی قبضے کی برخاستگی کی خاطر بین قومی مساعی کو تیز تر ہوتا ہوا دیکھ کر ۱۹۲۳ء میں انگریزوں نے متعصب ہندوؤں کے ذریعہ شدھی تحریک چلادی تاکہ مسلمانوں کی توجہ اصل مقصد سے بٹ جائے، مگر جمعیۃ علماء ہند نے آزادی کے اپنے محاذ کو چھوڑے بغیر تبلیغ اسلام اور حفاظتِ مسلمین کا دوسرا محاذ کھول کر اس خطرناک فتنے پر قابو پالیا۔

انگریزوں نے ۱۹۲۶ء میں ملک چھوڑنے کے اس مسلسل مطالبے اور اس میں دن بہ دن شدت کو دیکھتے ہوئے یہ پیشکش کی کہ برطانیہ کے وفاقی اقتدار کو قائم رکھتے ہوئے داخلی خودمختاری ہندوستان کو دیدی جائے گی، کانگریس نے جلد بازی کرتے ہوئے اسے قبول کر لیا تھا؛ لیکن جمعیۃ علماء ہند کے باحوصلہ وپُرعزم ارکان نے کلکتہ میں عظیم الشان اجلاس منعقد کر کے مکمل آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے جزوی آزادی کی پیشکش اور سائمن کمیشن کو مسترد کر دیا، جمعیۃ کے اس حوصلہ مند اعلان نے کانگریس کو سبق سکھایا، اور وہ بھی ۱۹۲۹ء میں مکمل آزادی پر اٹل ہوگئی، ورنہ تو وہ جزوی خودمختاری کا کچا پھل توڑنے کے لئے بالکل تیار تھی؛ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے نمک ستیہ گرہ شروع کی تو جمعیۃ علماء بھی اس میں شامل ہوگئی، سول نافرمانی کی پاداش میں انگریزی حکومت کی طرف سے گرفتاریاں شروع ہوئیں، صدر جمعیۃ علماء حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے نوے ہزار افراد کے

ساتھ جیل بھرو آندولن شروع کیا جن میں پینتالیس ہزار یعنی نصف تعداد مسلمانوں کی تھی؛ ۱۹۳۵ء میں جا کر نیا دستور بنا، داخلی حکومتیں الیکشن کے ذریعہ بحال ہوئیں مگر یہ الیکشن فرقہ وارانہ اور متعصّبانہ بنیادوں پر ہوا، اسی نا انصافی و نابرابری کی جڑوں سے نفرت کی شاخیں پھوٹیں اور فرقہ وارانہ اتحاد پارہ پارہ ہوا؛ ۱۹۳۶ء کے انتخابات کے بعد ملک کے اکثر صوبوں پر کانگریس نے قبضہ کیا اور مسلم لیگ کو متعصب ذہن اور کٹر پسند کانگریسیوں نے اقتدار سے محروم اور وزارتوں سے دور رکھا، جس کے نتیجے میں مسلم لیگ مخالف کانگریس تحریک میں تبدیل ہوگئی اور اسی زیادتی و ضد اضدی نے ملک کو تقسیم کے مکروہ انجام تک پہونچایا؛ ۱۹۳۹ء میں جب جرمنی اور برطانیہ کے درمیان جنگ ہوئی تو برطانیہ نے ہندوستانیوں کو زبردستی اس جنگ میں جھونکا اور خواہ مخواہ ہی دو لاکھ ہندوستانیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا، اسی سال کانگریس نے وزارتوں سے استعفیٰ پیش کر دیا، کانگریس اور جمعیۃ علماء دونوں ہی برطانوی مراعاۃ کو ٹھکراتے ہوئے مکمل آزادی کی مانگ کی؛ انگریزوں کی مخالفت کا مشترکہ اعلامیہ جاری کیا، جس کے نتیجے میں دونوں جماعتوں کے قائدین گرفتار اور مظالم کے شکار ہوئے، ۱۹۴۷ء تک پانچ چھ سال میں ہلاک یا زخمی ہونے والوں کی مجموعی تعداد پانچ کروڑ ریکارڈ کی گئی ہے، مسلم لیگ پاکستان کا مطالبہ کرتی رہی، اور ہندو مہاسبھا اکھنڈ بھارت کا تقاضہ کرتی رہی مگر جمعیۃ علماء تقسیم کے بجائے متحدہ ہندوستان کے اپنے مطالبے پر قائم رہی؛ اس کے باوجود تقسیم عمل میں آئی، پھر پاکستان سے بنگلہ دیش علاحدہ ہوا؛ کانگریس اور مسلم لیگ کا کیا بنا وہ اہلِ سیاست جانتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ڈھائی سو سالہ جدوجہد کا جو ثمرہ ملا وہ ہر آنکھ کے سامنے ہے۔

بچوں کے فوت ہونے پر صبر کا انعام

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو مسلمان (میاں بیوی) جن کے تین بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائے گا، اپنی رحمت کے فضل سے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں؟ فرمایا: دو کا بھی یہی حکم ہے، عرض کیا گیا اگر ایک بچہ فوت ہوا ہو؟ فرمایا: ایک کا بھی یہی حکم ہے؛ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کے جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بلاشبہ ادھورا بچہ اپنی ماں کو اپنی ناف کے ذریعہ کھینچتا ہوا لے جائے گا، یہاں تک کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، اگر اس کی ماں نے اس کی موت پر ثواب کی پختہ امید رکھی ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۱۵۳)

درسِ قرآن

کفار و مشرکین کیا چاہتے ہیں؟

مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے دین کا اتباع کرلیں، آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو آپ کیلئے کوئی ولی اور مددگار نہ ہوگا جو اللہ سے بچاوے۔

تشریح: تفسیر معالم التنزیل: ۱/ ۱۱۰ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپس میں کچھ صلح کرلیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اُتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کرلیں گے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

تفسیر قرطبی ۲/ ۹۳ میں آیتِ بالا کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لئے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے درحقیقت بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی وہ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دینِ اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کرلیں۔ جب تک آپ ان کے دِین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہونے والے نہیں۔

پھر فرمایا: قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی

ہدایت نہیں اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے، گمراہی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہشوں سے مذاہب بنا لئے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے اِن کی خواہش کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آچکا ہے آپ اللہ کی گرفت میں آجائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الرعد میں بھی ذکر کیا گیا: وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو حقیقۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی امت ہے اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں امت کے لئے تادیب ہے کیوں کہ اُمت کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ سے کہیں کم ہے، پس جب دوسروں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مواخذہ ہوسکتا ہے تو اگر اُمت ایسا کوئی کام کرے گی جس میں دوسروں کی اتباع ہو وہ کیوں کر مواخذہ سے بچے گی؟

مومن کا کام ہے کہ صرف اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اُسے راضی رکھنے کے لئے مخلوق میں جو راضی ہوتا ہو وہ راضی رہے جو ناراض ہوتا ہو وہ ناراض رہے کوئی اپنا ہو یا پرایا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے، آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنے اعمال، لباس، وضع قطع اور شکل وصورت میں یہود و نصاریٰ کا اتباع کئے ہوئے ہیں اور اُن لوگوں کے سامنے اپنے کو حقیر جانتے ہیں اور انہیں راضی رکھنے کے لئے داڑھی بھی مونڈتے ہیں یورپین لباس بھی پہنتے ہیں، عورتوں کو بھی بے پردہ پھراتے ہیں اور غیروں سے ان کے مصافحہ کراتے ہیں، افسوس ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع چھوٹ جائے؛ لیکن اہلِ کفر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گناہوں کے اِرتکاب کی وجہ سے عذاب ہی بھگتنا پڑے، حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ دینِ اسلام کو چھوڑ کر ان کی ملت و مذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

ہمیں کافروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ ہماری عزت اس سے زیادہ اَور کیا ہوگی کہ ہم مومن موحد ہیں، افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہیں ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے، یہ ہمارے لئے اتنا بڑا فخر ہے کہ اس سے بڑا کوئی اور فخر نہیں اور یہی ہماری سب کچھ عزت ہے، دُشمنوں کے اتباع میں دنیا و آخرت کی ذلت ہی ذلت ہے، ہلاکت اور بربادی ہے، سورۂ نساء میں فرمایا: اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ کیا تم ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہو سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے

فائدہ: آیتِ شریفہ میں حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ فرمایا حالانکہ ابتداء آیت میں یہود ونصاریٰ دونوں جماعتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ملت الگ الگ ہے، پھر بھی تثنیہ کا صیغہ نہیں لایا گیا، اور یوں نہیں فرمایا کہ آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی مِلتوں کا اعتبار نہ کریں۔ اس سے علماءِ تفسیر نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ کافر اگرچہ مذہبی اعتبار سے اختلاف رکھتے ہوں؛ لیکن کفر میں سب شریک ہیں اس لئے ان سب کی ملت بھی ایک ہی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ملتیں دنیا میں دو ہیں ایک ملتِ ایمان اور ایک ملت کفر۔ یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ کافروں کی ساری جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں ایک ہی ہیں اور سب کی کوشش ہے کہ اسلام نہ پھیلے اور مسلمان دنیا میں عروج نہ پائیں، اسلام کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں اُن میں سبھی کافر مشورے یا مال سے یا دل سے شریک ہوتے ہیں؛ حد یہ ہے کہ بعض وہ فرقے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور عقائد کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اسلام دُشمنی میں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہ کاری میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

آیتِ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ایسی کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی مداہنت اور مصالحت کرلیں، دینِ اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے، بندوں کا تجویز کیا ہوا نہیں ہے، بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اُونچ نیچ کرکے دینی مسائل اور احکام میں ردوبدل کرکے دُشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے کوئی راستہ نکالیں، دشمنانِ اسلام یہ کرسکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیوں کہ ان کا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے اپنی بنائی ہوئی چیز اَدل بدل کرسکتے ہیں؛ لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے اگر چند جاہلوں نے مل کر کسی حکم کو بدل بھی دیا تو ان کا عمل کافرانہ ہوگا اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔

(ماخوذ از: انوار البیان: ۱/ ۱۶۰)

درسِ حدیث

سات چیزوں کے آنے سے پہلے اچھے اعمال کرلو

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعاً، مَا تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِیًا، اَوْ غِنیً مُطْغِیاً، اَوْ مَرَضًا مُفْسِداً، اَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا، اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا، اَوِ الدَّجَّالَ، فَاِنَّهٗ شَرُّ مُنْتَظَرٍ، اَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ۔ (شعب الایمان:۱۰۰۸۸)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات چیزوں کے آنے سے پہلے جلد از جلد اچھے اعمال کرلو، کیا تم (نیک اعمال کرنے کے لئے) ایسے فقر کا انتظار کررہے ہو جو بھلا دینے والا ہو؟ یا تم ایسی مالداری کا انتظار کررہے ہو جو انسان کو سرکش بنادے؟ یا ایسی بیماری کا انتظار کررہے ہو جو تمہاری صحت کو خراب کردے؟ یا تم سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا انتظار کررہے ہو؟ یا تم اس موت کا انتظار کررہے ہو؟ جو اچانک آجائے، یا تم دجال کا انتظار کررہے ہو، دجال تو بدترین چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے، یا پھر قیامت کا انتظار کررہے ہو؟ قیامت تو بڑی آفت اور تلخ ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اس میں ''مبادرت الی الخیرات'' یعنی نیک کاموں کی طرف بڑھنے کی جلدی سے فکر کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعاً'' ساتھ چیزوں کے آنے سے پہلے جلد از جلد اچھے اعمال کرلو جس کے بعد اچھا عمل کرنے کا موقع نہ ملے گا، اور پھر ان سات چیزوں کو ایک دوسرے انداز سے بیان فرمایا:

کیا فقر کا انتظار ہے؟

''مَا تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِیًا'' کیا تم نیک اعمال کرنے کے لئے ایسے فقر وفاقے کا انتظار کررہے ہو جو بھلا دینے والا ہو؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت تمہیں خوش حالی میسر ہے، روپیہ پیسہ پاس ہے

کھانے پینے کی تنگی نہیں ہے اور عیش و آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے، ان حالات میں اگر تم نیک اعمال کو ٹال رہے ہو تو کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ جب موجودہ خوش حالی دور ہو جائے گی اور خدانہ کرے فقر و فاقہ آجائے گا، اور اس فقر و فاقے کے نتیجے میں تم اور چیزوں کو بھول جاؤ گے، کیا اس وقت نیک اعمال کرو گے؟ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ اس خوش حالی کے زمانے میں تو عیش ہیں اور مزے ہیں، اور پھر جب دوسرا وقت آئے گا، اس میں نیک عمل کریں گے، تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جب مالی تنگی آجائیگی تو اس وقت نیک اعمال سے اور دور ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس وقت انسان اتنا پریشان ہوتا ہے کہ ضروری کام بھی بھول جاتا ہے، قبل اس کے کہ وہ وقت آئے کہ تمہیں مالی پریشانی لاحق ہو، معاشی طور پر تنگی کا سامنا ہو، اس سے پہلے پہلے جو کچھ تمہیں خوش حالی میسر ہے اس کو غنیمت سمجھ کر اس کو نیک عمل میں صرف کرو۔ آگے فرمایا:

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

"اَوْ غِنیً مُطْغِیاً" یا تم ایسی مالداری کا انتظار کر رہے ہو جو انسان کو سرکش بنا دے؟ یعنی اگرچہ اس وقت بہت زیادہ مالدار نہیں ہو اور یہ خیال کر رہے ہو کہ ابھی ذرا مالی تنگی ہے یا یہ کہ مالی تنگی تو نہیں ہے لیکن دل یہ چاہ رہا ہے کہ اور پیسے آجائیں، اور دولت مل جائے تب نیک اعمال کریں گے، یاد رکھو! اگر مالداری زیادہ ہو گی، اور پیسے بہت زیادہ آگئے اور دولت کے انبار جمع ہو گئے تو اس کے نتیجے میں اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مال و دولت تمہیں اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کر دے، اس لئے کہ انسان کے پاس جب مال زیادہ ہو جاتا ہے اور عیش و آرام زیادہ میسر آجاتا ہے تو وہ خدا کو بھلا بیٹھتا ہے، لہٰذا جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

"اَوْ مَرَضًا مُفْسِداً" یا ایسی بیماری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہاری صحت کو خراب کر دے؟ یعنی اس وقت تو صحت ہے طبیعت ٹھیک ہے جسم میں طاقت اور قوت موجود ہے، اگر اس وقت کوئی عمل کرنا چاہو گے تو آسانی کے ساتھ کر سکو گے، تم کیا نیک عمل کو اس لئے ٹلا رہے ہو کہ یہ صحت رخصت ہو جائے گی اور خدانہ کرے جب بیماری آجائے گی، پھر نیک عمل کرو گے، ارے جب صحت کی حالت میں نیک عمل نہیں کر پائے تو بیماری کی حالت میں کیا کرو گے؟ اور پھر بیماری خدا جانے کیسی آجائے اور کس وقت آجائے، تو قبل اس کے کہ وہ بیماری آئے نیک عمل کر لو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

"اَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا" یا تم سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ ابھی تو ہم جوان ہیں، ابھی تو

ہماری عمر ہی کیا ہے، ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، اس جوانی کے زمانے کو عیش اور لذتوں کے ساتھ گذر جانے دو، پھر نیک عمل کر لیں گے، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کیا تم بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟ حالانکہ بعض اوقات بڑھاپے میں انسان کے حواس خراب ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی کام کرنا بھی چاہے تو نہیں کر پاتا، تو قبل اس کے کہ بڑھاپے کا دور آئے، اس سے پہلے اس زمانے میں نیک عمل کر لو، بڑھاپے میں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت اور اب گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی، اس وقت اگر گناہ سے بچ بھی گئے تو کیا کمال کر لیا؟ جب جوانی ہو، طاقت موجود ہو، گناہ کرنے کے سامان موجود ہوں، گناہ کرنے کے اسباب موجود ہوں، گناہ کرنے کا جذبہ دل میں موجود ہو، اس وقت اگر انسان گناہ سے بچ جائے تو درحقیقت یہ ہے پیغمبرانہ طریقہ، چنانچہ اسی کے بارے میں شیخ سعدی فرماتے ہیں:

کہ وقت پیری گرگِ ظالم می شود پرہیزگار
درجوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است

ارے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، وہ اس لئے پرہیزگار نہیں بنا کہ اس کو کسی اخلاقی فلسفے نے پرہیزگار بنا دیا، یا اس کے دل میں خدا کا خوف آ گیا بلکہ اس لئے پرہیزگار بن گیا کہ اب کچھ کر ہی نہیں سکتا، کسی کو چیر پھاڑ کر کھا نہیں سکتا، اب وہ طاقت ہی باقی نہیں رہی، اس لئے ایک گوشہ کے اندر پرہیزگار بنا بیٹھا ہے بلکہ جوانی کے اندر توبہ کرنا، یہ ہے پیغمبری کا شیوہ، یہ ہے پیغمبروں کا شعار، حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، طاقت ہے، قوت ہے، حالات میسر ہیں اور گناہ کی دعوت دی جاری ہے، لیکن اس وقت زبان پر کلمہ آتا ہے، معاذ اللہ، انہ ربی احسن مثوای ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، یہ ہے پیغمبری کا شیوہ کہ انسان جوانی کے اندر گناہ سے تائب ہو جائے، جوانی کے اندر انسان نیک عمل کرے، بڑھاپے میں تو اور کوئی کام بن نہیں پڑتا، ہاتھ پاؤں چلانے کی سکت ہی نہیں، اب گناہ کیا کرے؟ گناہ کے مواقع ہی ختم ہو گئے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تب نیک عمل کریں گے، تب نماز شروع کریں گے، اس وقت اللہ کو یاد کریں گے، اگر حج فرض ہو گیا تو یہ سوچتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہو جائے گی، تب جائیں گے خدا جانے کتنے دن کی زندگی ہے؟ کتنی مہلت ملی ہوئی ہے؟ وقت آتا ہے نہیں آتا، اگر بڑھاپا آ بھی گیا تو معلوم نہیں اس وقت حالات سازگار ہوں نہ ہوں، اسی وقت کر گزرو۔

کیا موت کا انتظار ہے؟

''اَوْ مَوْتًا مجھزًا'' یا تم اس موت کا انتظار کر رہے ہو جو اچانک آ جائے، ابھی تو تم نیک اعمال کو ٹلا رہے ہو

کہ کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، کچھ اور وقت گذر جائے تو شروع کردیں گے کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ موت اچانک بھی آسکتی ہے۔ بعض اوقات تو موت پیغام دیتی ہے الٹی میٹم دیتی ہے، لیکن بعض اوقات بغیر الٹی میٹم کے بھی آجاتی ہے، اور آج کی دنیا میں تو حادثات کا یہ عالم ہے کہ کچھ معلوم نہیں، کس وقت انسان کے ساتھ کیا ہوجائے ویسے تو اللہ تعالیٰ نوٹس بھیجتے ہیں۔

ملک الموت سے ملاقات

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کی ایک مرتبہ ملک الموت سے ملاقات ہوگئی (خدا معلوم کیسی حکایت ہے، لیکن بہرحال عبرت کی حکایت ہے) تو اس نے عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جناب! آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے، جب آپ کی مرضی ہوتی ہے، آدھمکتے ہیں دنیا کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی سزا دینی ہو تو پہلے سے اس کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت میں تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہونے والا ہے، اس کے لئے تیار ہوجانا، آپ تو نوٹس کے بغیر چلے آتے ہیں؟

عزرائیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ارے بھائی! میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی نہیں دیتا ہوگا، مگر اس کا کیا علاج کہ کوئی نوٹس سنتا ہی نہیں؟ تمہیں معلوم نہیں کہ جب بخار آتا ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سر میں درد ہوتا ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے جب بڑھاپا آتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب سفید بال آجاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب آدمی کے پوتے پیدا ہوجاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے میں تو مسلسل نوٹس بھیجتا رہتا ہوں، یہ اور بات ہے کہ تم سنتے ہی نہیں، یہ ساری بیماریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں کہ دیکھو! وقت آنے والا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ط "یعنی آخرت میں ہم تم سے پوچھیں گے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کرلیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آگیا تھا، یہ کون ڈرانے والا آیا تھا؟ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے تو فرمایا کہ اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر لوگوں کو ڈرایا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد سفید بال ہیں، جب سر میں یا داڑھی میں سفید بال آگئے تو یہ "نذیر" ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آیا ہے کہ اب وقت قریب آرہا ہے تیار ہوجاؤ، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد "پوتا" ہے کہ جب کسی کے یہاں پوتا پیدا ہوجائے تو یہ پوتا "نذیر" ہے، ڈرانے والا ہے کہ اب وقت آنے والا ہے، تیار ہوجاؤ، اسی کو کسی عربی شاعر نے ایک شعر میں نظم

کردیا ہے کہ

اذا الرجال ولدت اولادھا وبلیت من کبر اجسادھا

وجعلت اسقامھا تعتادھا تلک زروع قد دناحصادھا

یعنی جب انسان کی اولاد کی اولاد پیدا ہوجائے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پُرانا ہوجائے اور بیماریاں یکے بعد دیگرے آنے لگیں، کبھی ایک بیماری، کبھی دوسری بیماری، ایک بیماری ٹھیک ہوئی تو دوسری آگئی تو سمجھ لو کہ یہ وہ کھیتیاں ہیں جن کی کٹائی کا وقت آگیا ہے۔

بہرحال! سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں اگرچہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ نوٹس آتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات موت اچانک بغیر نوٹس کے بھی آجاتی ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم ایسی موت کا انتظار کررہے ہو جو نوٹس دیئے بغیر اچانک آجائے، کیا معلوم کہ کتنے سانس ابھی باقی ہیں، اس کا انتظار کیوں کررہے ہو؟ اس کے بعد فرمایا:

کیا دجال کا انتظار ہے؟

"اَوِ الدَّجَّالَ" یا تم دجال کا انتظار کررہے ہو؟ اور یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی تو زمانہ نیک عمل کے لئے سازگار نہیں ہے، تو کیا دجال کا زمانہ سازگار ہوگا؟ جب دجال ظاہر ہوگا تو کیا اس فتنے کے عالم میں نیک عمل کرسکو گے؟ خدا جانے اس وقت کیا عالم ہو، گمراہی کے کیسے محرکات اور دواعی پیدا ہوجائیں، تو کیا تم اس وقت کا انتظار کررہے؟ فَاِنَّهٗ شَرٌّ مُنْتَظَرٌ یعنی دجال بدترین چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے، بلکہ اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو، اور آخر میں فرمایا:

کیا قیامت کا انتظار ہے؟

"اَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرّ" یا پھر قیامت کا انتظار کررہے ہو؟ تو سُن لو کہ قیامت جب آئیگی تو اتنی مصیبت کی چیز ہوگی کہ اس مصیبت کا کوئی علاج انسان کے پاس نہیں ہوگا تو اس کے آنے سے پہلے نیک عمل کرلو۔

ساری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو ٹالو نہیں، اور آج کے نیک عمل کو کل پر مت چھوڑو، بلکہ جب نیک عمل کا جذبہ پیدا ہو، اس پر فوراً ابھی عمل کرلو، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گوشۂ خواتین

اللہ کو وہ زندگی زیادہ پسند ہے جس میں استقامت ہو

مفتی محمد احمد علی قاسمی*

اسلام ایک مکمل دستورِ حیات کا نام ہے، جس کی تعلیمات وہدایات پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے ہر میدان میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام انسان اُسی نظامِ حیات کے پابند ہیں؛ کسی خاص مہینہ یا دن میں کوئی مخصوص رسوم ورواج کے ادا کر لینے کا نام اسلام نہیں ہے؛ جیسا کہ دیگر مذاہب وادیان میں ہوتا ہے، رمضان کا بابرکت مہینہ اپنے انوار وبرکات کے ساتھ شروع ہوتا ہے تو مسلمانوں میں عبادتوں کا جوش وجذبہ ابھرتا ہے اور حتی المقدور گناہوں اور برائیوں سے بچنے کا اہتمام ہوتا ہے؛ جو یقیناً خوش آئند بات ہے لیکن رمضان کا مہینہ گذرنے کے بعد یہ جذبہ اور اہتمام سرد اور کمزور پڑ جاتا ہے، حالانکہ رمضان میں روزہ کی عبادت اور اس کے نورانی وروحانی ماحول سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں تقویٰ اور خوفِ خدا پیدا فرمانا چاہتے ہیں، جس کے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے رمضان گذرنے کے بعد اعمال وعبادتوں میں کمزور اور سست پڑ جانا اور گناہوں کے ترک کرنے کی ہمت نہ کرنا بڑے خسارہ اور محرومی کی بات ہے، اور درحقیقت یہ رمضان کے حقیقی برکات وثمرات سے محرومی کی علامت ہے۔

عام طور پر خواتین رمضان کا مہینہ پھر بھی اہتمام سے گذارتی ہیں؛ لیکن شوال کا چاند نظر آتے ہیں سارا اہتمام ختم ہوجاتا ہے، اب نہ نمازوں اور ذکر وتلاوت کا احساس رہتا ہے اور نہ ہی صدقہ وخیرات اور ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ؛ اور اس سے بڑھ کر گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی نہیں ہوتا، یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی زندگی محبوب وپسندیدہ ہے جس میں مداومت اور استقامت ہے، یعنی پوری زندگی میں (چاہے جیسے کچھ حالات وواقعات ہوں) اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پیشِ نظر رکھے، زندگی کے ہر شعبہ ومیدان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ ہو، اسی کو استقامت کہتے ہیں؛ اور یہ اتنی اہم صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا حکم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا ہے؛ ارشادِ خداوندی ہے: جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے (دین کے راستے پر) مستقیم رہے اور وہ لوگ بھی مستقیم رہیں جو کفر سے توبہ کرکے آپ کے

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

ساتھ ہیں اور حد سے نہ بڑھو یقیناوہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔(سورۂ ہود:۱۱۲)

استقامت کے معنیٰ سیدھا کھڑا رہنے کے ہیں، جس میں کسی طرف ذرا سا جھکاؤ نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں ہے، رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمانوں کو اِس آیت میں اپنے ہر کام میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے، استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر مفہوم اس کا ایک عظیم الشان وسعت رکھتا ہے؛ کیوں کہ معنیٰ اس کے یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت، کسب معاش اور اس کے آمد وصرف کے تمام ابواب میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے، ان میں سے کسی باب کے کسی عمل اور کسی حال میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی زیادتی ہو جائے تو استقامت باقی نہیں رہتی، حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے معاملے میں کوئی ایسی جامع بات بتلا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، آپ ﷺ نے فرمایا: قل آمنت باللہ ثم استقم یعنی اللہ پر ایمان لاؤ اور پھر اس پر مستقیم رہو۔(مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ پورے قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ پر اِس آیت ''فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ'' سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، جب صحابہ کرامؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر بطور حسرت کے عرض کیا کہ اب تیزی سے بڑھاپا آپ کی طرف آرہا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا، سورہ ہود میں جو پچھلی قوموں پر سخت وشدید عذاب کے واقعات مذکور ہیں وہ بھی اس کا سبب ہو سکتے ہیں مگر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہی اُس کا سبب ہے''۔(معارف القرآن:۸۸/۴)

دیکھئے نبی کریم ﷺ جو سراپا اطاعت وفرمانبرداری کا نمونہ تھے انھیں حکم استقامت دیا جارہا ہے اور اس حکم کا آپ پر ایسا اثر پڑا کہ ضعف وبڑھاپے کا سبب اسی کو بتلایا، حالانکہ آپ ﷺ کو مخاطب کر کے دراصل ہمیں اِس حکمِ استقامت کی اہمیت کا احساس دلانا ہے، اب جو لوگ مہینہ بھر کی عبادت سے تھک ہار کر بیٹھ جائیں اور ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیقِ عبادت کی ناقدری کر کے آگے عبادت واطاعت چھوڑ بیٹھیں وہ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں اور کیوں کر اُنھیں دنیا وآخرت کا سکون وراحت مل سکتا ہے۔

حضراتِ صحابیاتؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں کہ کیسے فقر وفاقہ اور مصیبتوں وآزمائشوں کے ماحول میں بھی وہ صبر واستقامت پر جمی رہیں؛ حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں: اے میرے بھانجے! اللہ کی قسم ہم ایک چاند دیکھتے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، دو مہینے میں تین چاند دیکھ لیتے اور حضور ﷺ کے گھروں میں آگ بالکل جلائی نہیں جاتی، میں نے کہا: اے خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گذارہ کیسے ہوتا تھا؟

انہوں نے فرمایا: دو کالی چیزوں (کھجور اور پانی) پر۔ (حیاۃ الصحابہؓ: ۱/ ۳۳۲)

حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے دونوں بیٹے حسن اور حسین کہاں ہیں؟ میں نے کہا: صبح کو ہمارے گھر میں چکھنے کے لئے بھی کوئی چیز نہ تھی تو حضرت علیؓ نے کہا میں اِن دونوں کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں؛ کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ دونوں تمہارے پاس بھوک کی وجہ سے روتے رہیں گے اور تمہارے پاس کوئی چیز کھانے کو ہے نہیں! چنانچہ وہ فلاں یہودی کے پاس (مزدوری کے لئے) گئے۔ (حیاۃ الصحابہؓ: ۱/ ۳۳۷)

ازواجِ مطہرات وصحابیات کی پوری زندگیاں انہی مشکل حالات وواقعات سے دوچار ہیں، ابتداء اسلام میں تو اِن حضرات نے ایسے مصائب ومظالم برداشت کئے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؛ مثلاً حضرت سمیہؓ باوجود بوڑھی عورت ہونے کے بدنصیب ابوجہل نے آپ کی شرمگاہ پر صرف مسلمان ہونے کے جرم میں برچھی اِس زور سے ماری کہ وہ اسی وقت شہید ہوگئیں، اور آپ کو اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا، ہجرت کے بعد امن وامان کے حالات ضرور ہوئے تھے لیکن فقر وفاقہ اور تنگی وپریشانی پھر بھی ساتھ ساتھ رہی؛ لیکن ان سب کے باوجود ان کے استقامت واستقلال میں کوئی کمی نہیں آئی۔

آج ہماری زندگیوں میں الحمدللہ نہ ویسے مسائل ہیں اور نہ مشکلات، پھر بھی دین پر استقامت واستقلال کے ساتھ چلنا ہمیں کیوں دشوار ہے؟ اگر دین وشریعت سے بےفکری ولاپرواہی کی یہی صورتحال رہی تو اللہ تعالیٰ کے پاس سخت پکڑ وگرفت کا اندیشہ ہے، جس وقت کوئی معذرت وتوبہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

اس لئے رمضان کے مبارک ومنور ماحول کی برکت سے جو پاکیزہ جذبات وارادے آپ کے اندر پیدا ہوئے تھے جس پر عمل کی توفیق بھی ہوئی تھی اس کو آگے برقرار وباقی رکھیں، اور اِس راستہ کی ہر مشکل کو برداشت کرتے ہوئے استقامت واستقلال کے ساتھ زندگی گذارنے کا سلیقہ سیکھیں کہ یہی دراصل وہ زندگی ہے جس پر دنیا وآخرت کی کامیابیوں کا خداوندی وعدہ ہے۔

حق تعالیٰ شانہ سب مسلمانوں کو استقامت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

اصلاحِ معاشرہ

کیا غیبت کرنا گناہِ کبیرہ ہے؟

از: مولانا مرزا اسماعیل ذبیح اللہ عاقل قاسمی

درود وسلام کی بارش ہو اس نبی رحمت ﷺ پر جس نے معاشرہ میں فتنہ وفساد کرنے والی چیزوں سے نہ صرف امت کو آگاہ کیا بلکہ اس سے دور رہنے کی تاکید اور تدبیریں بھی بتلائیں؛ نبی رحمت ﷺ نے اس سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کرنا اور معاشرہ میں پھیلانا دنیا میں چین وسکون کا ذریعہ اور آخرت میں فلاح وکامرانی کا وسیلہ ہے، دنیا میں لڑائی جھگڑے زیادہ تر زبان کی بے احتیاطی کی وجہ سے ہوتے ہیں؛ بڑے بڑے گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق زبان سے ہوتا ہے: عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے اللِسانُ جِرْمُہٗ صَغِیرہ وَ جُرْمُہٗ کَبِیرہ زبان کا جثہ بہت چھوٹا ہے مگر اس کے جُرم اور گناہ بہت بڑے ہیں

زبان رحمت بھی ہے زحمت بھی:

قدرت نے ہر انسان کو زبان بخشی ہے اور اس کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنی زبان کو بھلی باتوں کیلئے استعمال کرے یا بُری باتوں کیلئے، اور اس کا انجام بھی بتلا دیا گیا ہے کہ بھلی باتوں کے لئے استعمال کرے گا تو اُسے جنت ملے گی اور بُری باتوں کے لئے استعمال کرے گا تو وہ جہنم کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

غیبت کسے کہتے ہیں:

زبان کے غلط استعمال کی صورتوں میں ایک غیبت بھی ہے؛ غیبت کیا ہے؟ نبی رحمت ﷺ نے نہایت واضح الفاظ میں اس کو بیان فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں؛ آپ ﷺ نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کی ایسی بات (دوسروں کے سامنے) بیان کی جائے جس سے اس کو ناگواری ہو، حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا اگر وہ اپنے بھائی کی ایسی بُرائی بیان کرے جو واقعۃً اس میں موجود ہو تو کیا یہ غیبت ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اگر وہ بُرائی اور عیب اس میں موجود ہو جو تم بیان کر رہے ہو تو تم نے اس کی

غیبت کی اگر وہ برائی اور عیب اس میں نہیں ہے تو جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔ (جو غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے)۔ (مسلم، مشکوۃ: ۴۱۲)

آج کل خصوصی مجالس ہوں یا عمومی محافل ہوں یہ سب غیبت کی آگ سے گرما گرم ہیں، غیبت کرنے والا بڑی بے حیائی کے ساتھ غیبت کرتا ہے اور سامعین بھی بڑے غور سے سنتے ہیں حالانکہ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے؟ آج کل انٹرنیٹ، ٹی وی، موبائیل فونز کے ذریعے جھوٹے کلپس دکھائے، سنائے اور بھیجے جاتے ہیں جس میں ایک دوسرے کی غیبت کرنا، استہزاء، جھوٹی نقل اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا وغیرہ سب شامل ہوتا ہے اس سے خود بچیں اور معاشرہ کو بچائیں ورنہ غیر محسوس طریقہ سے غیبت جیسے کئی بڑے گناہوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔

غیبت ایک سنگین گناہ ہے:

آج ہمارے معاشرہ میں غیبت جیسے سنگین گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا، آدمی جب گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو گناہ سے بچنا آسان ہو جاتا ہے قرآن کریم نے اس کی سنگینی کو بیان کیا ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط (تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے، (کیوں کہ یہ ایسا عمل ہے جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا) کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے؛ تم اس کو بُرا سمجھتے ہو۔ لہذا تم اس عمل کو بھی بُرا سمجھتے ہو تو غیبت کو بھی بُرا سمجھو)

غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے:

آج شراب نوشی کو، چوری کو، زنا کاری کو گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن غیبت کو گناہ نہیں سمجھتے حالانکہ غیبت کرنا زنا کے گناہ سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غیبت زنا سے زیادہ سنگین ہے، کسی صحابیؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیبت زنا سے زیادہ سخت کیوں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی بدبختی سے زنا کر لیتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں اور اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں مگر غیبت کرنے والے کی معافی اور بخشش اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔ (مشکوۃ: ۴۱۵ بحوالہ شعب الایمان)

غیبت کی سزا:

خادم رسول حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شب معراج میں میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ کر زخمی کر رہے

تھے تو میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے۔ (یعنی غیبت کر کے ان کی آبرو ریزی کرتے تھے۔)

غیبت کا کفارہ:

اگر کسی کی غیبت ہو جائے اور اب اس سے توبہ کرنا چاہتا ہے تو حدیث مبارکہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس شخص کے لئے مغفرت طلب کرو جس کی تم نے غیبت کی ہے یوں کہو "اللھم اغفر لنا و لہ" اے اللہ! ہم کو بھی بخشش دے اور اس کو بھی۔ جس شخص نے کسی کی غیبت کی اور اس کی اطلاع اس کو ہو گئی جس کی اس نے غیبت کی ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ غیبت کرنے والا اس کے پاس جائے اور اس سے معافی مانگے، اگر غیبت کی اطلاع اس شخص کو نہیں ہوئی یا وہ شخص مر گیا ہے تو اب غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ غیبت کرنے والا توبہ کرے اور اس شخص کے لئے جس کی اس نے غیبت کی ہے مغفرت کی دعا کرتا رہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے کی طرف سے اس کے مدعی کو خوش کر دیں گے اور اس کی مغفرت فرما دیں گے۔

غیبت سے بچنے کی تدابیر:

غیبت جیسے مہلک مرض سے نجات پانے کیلئے یہ تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں: (۱) غیبت چھوڑنے کا پکا عزم کریں، اس کو کل پر نہ ٹالیں آج بلکہ ابھی چھوڑ دیں۔ (۲) دعا بھی کرتے رہیں: اے اللہ مجھ کو میرے گھرانے اور خاندان کو اور معاشرہ کو اس گناہ سے محفوظ فرمایئے جو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کی طرف کھینچ کر لے جا رہا ہے۔ (۳) اس آیت کا ہمیشہ دھیان بھی رکھے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ (سورۂ ق:۱۸) وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتے مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار موجود ہوتا ہے (۴) غیبت ہونے پر اپنے اوپر کوئی جرمانہ عائد کرے، مثلاً چار رکعت نفل پڑھوں گا یا کچھ رقم صدقہ کروں گا۔ (۵) ایک آسان تدبیر جو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ غیبت سے بچنے کا سلسلہ میں اختیار فرمائے ہوئے تھے کہ جب کبھی حضرت کی مجلس میں کوئی غیبت کرتا تو حضرت ہاتھ اٹھا کر فرماتے کہ "بس اب اس کی حاجت نہیں"۔ اگر ہم بھی اس کو اختیار کریں گے تو غیبت سے بہ آسانی بچا جاسکتا ہے۔

ان چھوٹے سے کیمیائی نسخوں پر عمل کیا جائے گا تو ہم بہ آسانی غیبت جیسے سنگین نگاہ سے بچ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام معاشرہ کو غیبت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعوتِ فکر و عمل

ذمہ دارانِ مدارس کی خدمت میں

از: مولانا رشید احمد سعدی*

مدارس دینیہ کے ذریعہ سارے عالم میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت، اصلاح اعمال اور اخلاق حسنہ کے فروغ کی جو ہمہ گیر محنت بفضلہٖ تعالیٰ ہو رہی ہے، اس کی افادیت، قبولیت اور اہمیت سے کوئی منصف مزاج آدمی انکار نہیں کر سکتا، مدارس کی حیثیت امت کے لئے ایسی ہی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی اور انسانوں کے لئے ہوا، تاریخ شاہد ہے کہ جس علاقہ میں امت کے افراد مدارس سے وابستہ ہو رہے وہاں دینداری اور اسلامی اخلاق باقی رہے اور معاشرے میں دینی جذبات فروغ پاتے رہے، اور جن علاقوں میں مدارس ومکاتب سے وابستگی نہیں رہی وہاں ضلالت وجہالت نے پاؤں پھیلا لئے، جس کا لازمی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ طاغوتی طاقتیں ارتداد کے جال کے ذریعہ امت کے ہزاروں افراد کو شکار کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

افسوس کہ آج مدارس کی اہمیت کا صحیح اندازہ عام مسلمانوں کو کم اور اہل باطل کو زیادہ ہے، اس لئے اسلام مخالف طاقتیں وقتاً فوقتاً مدارس کو ہدف ملامت بناتی آرہی ہیں، پچھلے چند سالوں سے وہ ہر ممکن طریقہ پر دینی اداروں کو مطعون کرنے کی مسلسل کوششیں کر رہی ہیں، اس صورتحال میں ہمیں انفرادی واجتماعی طور پر مدارس کا مضبوط دفاع کرنے کی ضرورت ہے، اور سب سے پہلے عوام الناس خصوصاً جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں میں مدارس کی اہمیت وافادیت کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ دشمنوں کے منفی پروپیگنڈوں سے متأثر ہو کر ان کے آلہ کار بننے والے یہی جدید تعلیم یافتہ گریجویٹ اور پروفیسر وغیرہ ہوتے ہیں۔

الغرض! آج عوام وخواص کی طرف سے مدارس کی مضبوط پشت پناہی ہونی چاہئے تاکہ دشمن اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے، اہل باطل اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے آئے دن جو اعتراضات مدارس کے تعلق سے آرہے ہیں؛ ارباب مدارس واساتذہ انہیں اعتراضات محض سمجھ کر یکسر نظر انداز نہ کریں، اس لئے کہ اعتراضات وتنقیدات اگر نوے فیصد غلط ہوں تو دس فیصد تو کچھ حقیقت رکھتے ہیں، ہماری شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان قابل اعتراض چیزوں سے بھی اپنی ذات کو اور اپنے مدارس کو داغدار ہونے سے بچائیں، اور تحریک

*استاذ مدرسہ وصیۃ العلوم پرنامبٹ

مدارس کے مخلص بانیوں نے مدارس چلانے کے جو بنیادی اصول وضع کئے ہیں ان سے سرمو انحراف نہ کریں، کیونکہ دینی مدارس یا اس کے اساتذہ اگر اپنے سلف واکابر کے اصولوں سے ہٹ جائیں تو تجربہ بھی ہے کہ مدارس اپنے تمام مطلوبہ حقیقی ثمرات وفوائد سے محروم ہوجاتے ہیں۔

اسی سلسلہ کے بعض امور جو دراصل اکابر کی تعلیمات پر مشتمل ہیں درج ذیل کئے جارہے ہیں، یہ وہ امور ہیں جن کی طرف آج عام طور پر مدارس میں توجہ نہیں کی جارہی ہے، اگر اہل مدارس ان امور کا خیال رکھ کر خدمتِ دین سے وابستہ رہیں گے تو انشاء اللہ علوم نبوت کے یہ باغیچے ہمیشہ سرسبز وشاداب رہیں گے اور ہر آن اللہ کی مدد ان کے ساتھ شامل حال ہوگی۔

سب سے اولین ذمہ داری اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کی فکر

ہر حامل علم اور خادم دین کے جس طرح عوام تک دین پہنچانا اور عمل کی ترغیب دلانا اہم ہے، اس سے کہیں زیادہ اہم ذمہ داری اپنی ذات اور اہل وعیال کی اصلاح کی فکر کی ہے، ارشاد ربانی ہے: **قو انفسکم واھلیکم نارا** (سورۃ التحریم:۶) اپنی ذات کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ یہ بھی مسلّم بات ہے کہ اس دور میں کسی شیخ کامل سے رجوع ہوئے بغیر جذبۂ اصلاح نفس وعمل اور کام میں تاثیر پیدا ہونا مشکل ہے، ماضی قریب کے جبال العلم ومقتدایان امت کی ان گنت مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ جنہوں نے اپنے علم کو جلا بخشنے اور اپنے ظاہر وباطن کو انوار الٰہی سے مجلّٰی کرنے کے لئے مشائخ واہل قلوب کے آگے سرنگوں ہوئے، پھر اس کے بعد انکا وہ مقام ہوگیا کہ شاید ہی ان کے افادات وافاضات رہتی دنیا تک فراموش کئے جاسکیں، حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا کہ:

''میرا یہ عتقاد، اور تھوڑا بہت مطالعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ دین کا کام ہوا ہے وہ تو اہل قلوب نے کیا ہے یا اہل قلوب کے سایہ میں ان کی دعاؤں سے ہوا ہے، اہل قلوب کی دعا اور آہِ سحر گاہی کی تاثیر وبرکت ہے، دین کا نظام اور اس کا فروغ اہل اللہ کے قلوب سے وابستہ ہے۔

(خطاب: اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں)

اپنی اصلاح کی فکر کے ساتھ اپنی اولاد کی بھی تربیت اور اصلاح کی فکر کریں، مناسب تدبیریں اختیار کرتے رہیں، بڑوں کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ پیدا کریں، باریک بینی سے ان کی نشست وبرخاست کی خبر گیری کرتے رہیں۔ حضرت انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ فکر اپنے گھر والوں کی تھی، ان کی اصلاح کے لئے وہ بارگاہ ایزدی میں آہ وزاری کیا کرتے تھے، پھر ان کے سچے جانشینوں کے اندر بھی اپنے اہل وعیال کے

سلسلہ میں یہی فکر ہمیشہ دامن گیر رہی۔ افسوس کی بات ہے کہ ہم خدّام دین کی اپنی ساری تبلیغی، تعلیمی اور اصلاحی جدو جہد اور انتھک محنتیں عوام پر ہو رہی ہیں؛ لیکن اپنی اس اولاد کی طرف ہماری کوئی خاص توجہ نہیں ہو رہی ہے جو جدید طرز کے آسائش و آرائش کے سامانوں کے درمیان پروان چڑھ رہی ہے، ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے اس مقام تک پہنچنے کے لئے ہمیں کتنے مجاہدے کرنے پڑے تھے، ہمارے سرپرستوں نے ہماری کیسی بے مثال تربیت کی تھی؟ کیا ہماری اولاد بھی ویسے مجاہدوں کی عادی ہے؟ کیا ان کی تربیت صحیح ہو رہی ہے؟

ہماری بے حسی کے عالم میں جب وہ اولاد اپنے من چلے انداز میں پروان چڑھتی ہے تو ظاہری و باطنی دونوں کمالات سے یہی دامن بس رسمی سند فراغ حاصل کر لیتی ہے، پھر جب ہماری جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوتا تو اختلافات اور فتنوں کا باب وا ہو کر وہ غل مچتا ہے کہ الآمان!

حضرت الاستاذ فخر المحدثین نمونۂ سلف مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم وعمت فیوضہم (شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) اکثر اپنے درس حدیث کے دوران بڑے درد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ: "ہم نے بڑے بڑے بافیض مشائخ اور جلیل القدر علماء ایسے بھی دیکھے کہ جن کا سلسلۂ فیض ان کی خلف اولاد سے جاری نہ رہ سکا" اس کا ایک بنیادی سبب یہی ہے کہ آج ہم اکثر خدامِ دین کا حال یہ بن گیا ہے کہ امت کا درد تو ہے لیکن اپنی اولاد کا درد نہیں، نہ ان کی صحیح تعلیم و تربیت کی فکر اور نہ ان کے وضع قطع کی طرف توجہ؛ اگر اولاد کے تعلق سے فکر ہے تو ان کے مستقبل کی خوشحالی اور پر تعیش زندگی کی ہے، چاہے اس کے لئے اعلیٰ قسم کے کالجوں اور اسکولوں میں ان کو داخل کرنا کیوں نہ پڑے، چنانچہ آج عام طور پر دیکھا جا رہا ہے کہ علماء حضرات اپنی اولاد کو اسکولوں اور کالجوں کی نذر کر رہے ہیں، اس سے امت کو یہ منفی پیغام مل رہا ہے کہ اولاد کی حقیقی کامیابی اسی راستے میں ہے، نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات لکھنا پڑ رہا ہے کہ چند دن قبل اس عاجز نے ایک مشہور مدرسہ کے ایک مدرس کے بارہ میں سنا کہ انہوں نے علوم دینیہ کی خدمت سے وابستگی پر کھلم کھلا بیزارگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ: "میں دینی خدمت میں لگ کر ساری زندگی معاشی تنگی کا جو شکار رہا ویسی حالت میں اپنی اولاد میں نہیں دیکھنا چاہتا، اسی لئے میں انہیں دنیوی تعلیم میں لگا رکھا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون

بہر حال ہماری سب سے اولین ذمہ داری اپنے اہل وعیال کی بطریقِ احسن تعلیم و تربیت کرنا ہے، اخلاق حسنہ سے انہیں آراستہ کرنا اور ان کے قلوب میں عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیج بونا ہے، اس سلسلہ میں ہمارے لئے ان اعیان علماء و مشائخ کے حالات اور سیرتوں کا مطالعہ بھی مفید و معاون ثابت ہوگا جنہوں نے اپنی اولاد کی بے مثال تربیت کر کے انہیں دونوں جہاں کے لئے قابل فخر بنا دیا، جیسے حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کی حضرت شیخؒ کو تربیت اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی اپنی قابل فخر اولاد کی تربیت کرنا وغیرہ

جتنی استطاعت ہو اتنی ہی ذمہ داری قبول کریں:

اپنے مفوضہ امور میں کسی قسم کی کوتاہی بد دیانتی کی ایک قسم ہے، جتنی خدمات کی استطاعت و استعداد اپنے اندر ہو اور جن پر مداومت ہو سکتی ہو اتنی ہی خدمات قبول کرنا چاہئے، ناممکن امور کو بھی اپنے سر لینا پھر انجام دہی میں کوتاہی سے کام لینا ناجائز اور ناروا ہے، حدیث شریف میں ہے: احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل (بخاری و مسلم) اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال وہ ہیں جن پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہو۔

زبان کو مہذب بنائیے:

اس راہ میں زبان بڑا نمایاں مقام رکھتی ہے، زبان کے غلط استعمال سے اچھے خاصے علماء کا وقار مجروح ہوا ہے، ذرا سی غلط بیانی بھی برسوں کی دینی و علمی خدمات کو فراموش کرنے کے لئے کافی ہے، حدیث شریف "املک علیک لسانک" پر عمل کرتے ہوئے اگر ہم زبان کو قابو میں رکھیں گے تو دور حاضر کے بہت سے پُرخطر فتنوں سے ہم محفوظ و مامون رہیں گے، متعدد احادیث مبارکہ میں اس بات کی تاکید ہے کہ شدید فتنوں کے دور میں جہاں تک ہو سکے آدمی دوسروں سے میل جول اور تعلقات (غیر ضروری) کم کرے، زبان کو کم سے کم حرکت میں لائے۔

لہذا ہر آدمی کو خصوصاً اہل علم کو چاہئے کہ کم گوئی اور کم آمیزی کو اپنا شعائر بنائے، اگر بولنے کی ضرورت ہی پڑے تو بزرگوں کے اس قول "پہلے تولو پھر بولو" پر دھیان رکھتے ہوئے بولیں، جس قدر زبان قابو میں رہے گی عزت و وقار محفوظ رہیں گے، طلبہ بھی احترام کریں گے، دراصل اساتذہ کا احترام ہی طلبہ کے بننے یا بگڑنے کا ایک بڑا سبب ہے، اگر اساتذہ زبان کی یا کسی اور بے احتیاطی سے اپنا وقار کھو دیں گے تو بے تربیت طلبہ اساتذہ کے خلاف سامنے پیچھے ہرزہ گوئی کرتے ہوئے مزید اخلاقی پستی کے شکار ہوں گے اور حرمان نصیبی ان کا مقدر ہو جائے گا۔

کسی بھی معاملہ میں جانبداری سے کام نہ لیں:

شریعت مقدسہ میں ناحق جانبداری ممنوع ہے، کیونکہ ایک تو وہ ایک قسم کی بد دیانتی ہے، دوسرے وہ بد نامی کی اور بد اعتمادی کا بھی سبب ہے جو آگے دینی خدمات میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے، سیر و تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر ہر دور کے جلیل القدر علماء و مشائخ نے کسی بھی معاملہ میں غیر جانبداری سے کام لے کر اور صرف شریعت کی جانبداری کر کے ایسے انمٹ نقوش ثبت

کئے ہیں کہ شاید ہی وہ مٹائے جاسکیں، بعض منصف مزاج خداترس حاکموں کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے عدالت کے کٹہرے میں اپنی اولاد کو بھی کھڑا کیا اور قصور ثابت ہونے پر ان کے خلاف احکام بھی صادر کئے، اس قسم کے بے شمار واقعات سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں اور دین اسلام کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہیں۔

دور حاضر میں ہمارے خلاف انگشت نمائی کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ: ہم میں مفاد پرستی کی عادت عام ہے، ادارے کے تمام اصول اور لوگوں کے لئے ہیں، اپنے کو اور اپنے لوگوں کے لئے ان سے مستثنیٰ کرلیا جاتا ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس اعتراض کو یکسر مسترد نہیں کیا جاسکتا، بہت کم افراد آج ایسے ہوں گے جن پر یہ اعتراض صادق نہ آتا ہو۔

نظام مشورہ کی اہمیت وضرورت:

کسی بھی اہم معاملہ میں مشورہ کے بعد قدم آگے بڑھانا چاہئے، کیونکہ مشورے میں برکت بھی ہے اور ادارے کا نظم ونسق اس سے مستحکم بھی ہوتا ہے، اگر کبھی مشورہ کے بعد ناکامی کا سامنا بھی ہوا تو رسوائی سے حفاظت رہتی ہے، اس معاملہ میں ہر ادارہ کے مہتمم یا ناظم کو وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہئے کہ وقتاً فوقتاً اساتذہ کے ساتھ تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں تبادلہ خیال اور مشورہ کا اہتمام ہو، اس سے ہر استاذ کے اندر کام کو بہتر بنانے کی فکر ولگن پیدا ہوگی اور ادارے کی ترقی کے سلسلہ میں وہ استاذ ذمہ دار کا شریک وسہیم بنے رہے گا، ورنہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جہاں مشورہ وغیرہ کا اہتمام نہیں پایا جاتا وہاں کے اساتذہ ملازمین کے درجہ میں ہیں، بس انہیں کام سے مطلب رہتا ہے، خدمتِ دین کا جذبہ انہیں نہیں رہتا، سستی اور کاہلی چھائی رہتی ہے، اس لئے اربابِ مدارس کو مشورہ کی اہمیت سے آگاہ ہونے کی ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ افضل ومدبر حکمران کون ہوگا؟ لیکن آپ کو بھی حکم ہورہا ہے "وشاورھم فی الامر" چنانچہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام اپنے خاص صحابہؓ سے اہم امور میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا تھا، حضرت عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ سے ان کی نوعمری کے باوجود مشورے لیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ہم قرین یا اپنے ماتحت کے لوگوں سے خواہ وہ اپنے لڑکے، شاگرد یا مرید وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں، اہم معاملات میں مشورہ لیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اُن میں اچھے مشیر کی صفات علم وتقویٰ، دیانتداری اور اصابت رائے پائی جاتی ہوں۔

فیصلہ میں احتیاط:

کوئی بھی خلافِ اصول بات سنیں تو جب تک پورے طور پر تفتیش وتحقیق نہ کرلیں کوئی فیصلہ ہرگز نہ کریں، بعض حضرات فوری فیصلہ کو ''قوت فیصلہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، شرعی حکم یہ ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے خوب جانچ کرنی چاہئے کہ کسی پر ناحق اس کی زد تو نہیں پڑ رہی ہے، کوئی مظلوم تو نہیں بن رہا ہے، پھر اس کے بعد جب شرح صدر ہوجائے تو فیصلہ کیا جائے، عزم کے ساتھ کیا جائے اور اللہ پر اعتماد ہو۔

اس دور میں بکثرت دینی اداروں میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ بعض لوگوں کا کام دوسروں کے خلاف کان بھر ناہوتا ہے، اس سے بھی بڑی غلطی وہ لوگ کرتے ہیں جو بغیر تحقیق کے ان کی بات تسلیم کرکے اس کا حوالہ دینے لگتے ہیں یا اس کے حوالہ سے کوئی غلط اقدام کر بیٹھتے ہیں، حدیث میں ہے: کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرنے لگے) ہماری اسی بھیانک غلطی اور حماقت کا نتیجہ ہے کہ آج بڑے بڑے دینی ودعوتی کام، ادارے اور تحریکات شقاق ونفاق کا شکار ہورہے ہیں۔

تعلیم وتربیت کے لئے مفید اور سازگار نظام کی ضرورت:

مدارس میں طلبہ کے لئے ایسا نظام بنایا جائے جو ان کی تربیت کے لئے مفید ہو، اکثر مدارس میں آج نظام تربیت تقریباً ختم ہوچکا ہے، چندہ کی فراہمی کے سلسلہ میں مہتمم اور مدرسین کی میٹنگیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن طلبہ کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں کوئی مجلس مشاورت نہیں منعقد ہو پاتی، ادھر طلبہ میں بداخلاقی بڑھتی رہتی ہے، دینی تعلیم سے انہیں جو نفع پہنچنا چاہئے وہ تربیت کے فقدان کی بنا پر نہیں پہنچ پاتا ہے، بلکہ دیکھا یہ بھی جارہا ہے کہ اچھے اچھے لڑکے بھی بداخلاق لڑکوں کے ساتھ رہ کر متأثر ہوجاتے ہیں، ان ناگفتہ بہ حالات کے اصل ذمہ دار ارباب مدارس ہی ہیں، اس لئے کہ اس دنیا میں کوئی کام سبب کے بغیر نہیں ہوتا، کام اچھے ہوں یا برے سب اسباب کے تابع ہیں، اچھائی کا ماحول بنایا جائے گا تو اچھائیاں اُگ کر آئیں گی، برائی کو کھلی چھوٹ ہوگی برائیاں ہی اُگیں گی۔ لہٰذا طلبہ سے برائیوں کو مٹانے اور بداخلاقی دور کرنے کے لئے سب سے پہلے ماحول کو سازگار بنایا جائے؛ اس کے بغیر سب سزائیں بے اثر ثابت ہوں گے۔

دعوتِ فکر و عمل

مَتیٰ نَصرُ اللہِ ؟
کب آئے گی اللہ کی مدد؟

از: ابن غوری

- جب مسلمانوں کی اکثریت نماز (باجماعت) کی پابند ہو جائے۔
- جب بوڑھے عصر سے مغرب تک مسجد میں ذکر اللہ اور فکر دین میں مشغول رہیں۔
- جب بوڑھیاں تہجد پڑھنے لگیں۔
- جب نوجوان جہیز نہ لینے اور کرکٹ نہ کھیلنے کا عہد کریں۔
- جب لڑکیاں دین دار جوانوں کو پسند کرنے لگیں۔
- جب عورتیں لباس میں اسراف نہ کریں اور گھر سے نکلنے کو عیب سمجھیں۔
- جب ڈاکٹرز روزانہ قرآن مجید سمجھ کر پڑھیں۔
- جب دیہاتی درود پڑھنا سیکھیں۔
- جب بے روزگار فجر کی نماز باجماعت کے بعد سورہ یٰس اور عشاء کے بعد سورۂ واقعہ پڑھنے لگیں۔
- جب معلمین و معلمات اپنے طلبہ و طالبات کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں۔
- جب وظیفہ یاب داڑھی مونڈنے اور مسجد میں دنیاوی باتوں سے اجتناب کریں۔
- جب والدین اپنی اولاد کو دین سکھانے کی فکر کریں۔
- جب وکیل رمضان کے پورے روزے رکھیں۔
- جب پولیس والے داڑھی رکھنے لگیں۔
- جب ملازم سرکار رشوت لینا چھوڑ دیں۔
- جب عہدیدار صاحبان فجر سے پہلے اٹھنے لگیں۔
- جب مال دار ضرورت مندوں کو قرض حسنہ بھی دیا کریں۔

- جب تاجرین اذان کے ساتھ ہی کاروبار بند کردیں۔
- جب ہنرمند (ٹیلر وغیرہ) وعدہ کی پابندی کریں۔
- جب مزدور روزانہ مسجد کو آنے لگیں۔ سیاسی لیڈر نماز کی تاکید کرنے لگیں۔
- جب حجاج کرام کی زندگیوں میں نمایاں تبدیلی آئے۔
- جب ائمہ کرام و مصلحین عظام اپنے اور اپنی اولاد کے نکاح مسجد میں کرنے لگیں اور غیر شرعی تقاریب میں شرکت سے گریز کریں۔
- جب صحافی، امت کو رسوا کرنے والی خبروں کی اشاعت سے احتراز کریں۔ (ادیب و شاعر، خلافِ شریعت اظہارِ خیال سے اپنی زبان و قلم کو روکیں۔)
- جب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور دوسرے دینی جلسوں میں شرکت کرنے والے سنت پر چلنے کا عزم کریں۔
- جب سارے نمازی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کریں۔

تو پھر ع

دیکھنا تم اپنی آنکھوں سے کہ نصرت آگئی !

ان شاء اللہ

اس کے چہرے کا رنگ گھڑی بھر کے لئے نہیں بدلا

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو شہریوں سمیت الٹ دو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! اس شہر میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے ایک لمحہ بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شہر کو اس شخص سمیت سارے شہر والوں پر الٹ دو کیوں کہ ان کو میری نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ گھڑی بھر کے لئے بھی نہ بدلا۔

(مشکوۃ شریف)

تعاقب فرقِ باطلہ

قسط (۱۴)

فتنہ انکارِ حدیث۔ اور اسباب وعلل

مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

جب شیعہ حضرات نے اپنے مزعومہ ائمہ کے لئے بے سروپا کمالات، معصوم ہونا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے منصوص ہونا ثابت کر دیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان ائمہ کی اطاعت وانقیاد کو لازم قرار دے کیوں کہ جب کوئی بندہ معصوم اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ اور وہ اللہ جل شانہٗ کی جانب سے نامزد ہو تو اُن کا قول وفعل، ان کے خطا سے امن، گناہ سے عصمت اور اللہ کے جانب سے تقرر کے سبب اس درجہ میں ہوگا کہ سرمو بھی انکار نہ کیا جائے اور لازماً قبول ومنظور کیا جائے، چنانچہ شیعوں نے اپنے ائمہ کے لئے **تیسرا عقیدہ** "افتراض الطاعۃ" کا گڑھ لیا، یعنی ائمہ کی اطاعت فرض ہے، اس کے بغیر کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا ہے اور اس سے انکار فسق وکفر ہے اور جب ائمہ کی لازمی اطاعت کا عقیدہ اختراع کر لیا تو ظاہر ہے کہ اطاعت اقوال، اعمال اور افعال میں ہوتی ہے، لہٰذا لگے ہاتھوں **چوتھا عقیدہ** بھی معرض وجود میں لے آئے کہ ائمہ معصومین کو کسی بھی چیز کی تحلیل وتحریم کا کلی اختیار ہے، جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرا دیں، حتی کہ قرآن کریم کے منصوص احکام میں بھی تحلیل وتحریم کا حق ثابت ہے وہ قرآن کے جس حکم کو چاہیں باقی رکھے اور جس حکم چاہیں منسوخ کر دیں، پس اسی اختیار کلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ غالی شیعوں نے اپنا جداگانہ مصحف کے اصلی اور منزل من اللہ ہونے کا بلند بانگ دعویٰ کیا اور نعوذ باللہ موجودہ قرآن کے محرف ہونے کا پروپگنڈہ کیا جو سراسر دجل، فریب اور شیطانی چال ہے، اللّٰھم احفظنا منھم۔

بس اب ائمہ معصومین کے ہاتھوں میں تلوار بے نیام تھما دینے کے بعد کیا مانع تھا، ان من گھڑت عقیدوں کے نتائج ظاہر ہوئے اور ان ائمہ کی جانب منسوب کر کے ایسے احکامات کے انبار لگا دیئے گئے جو قرآن وحدیث کے صریح نصوص کے خلاف اور متصادم تھے، چنانچہ شیعہ کتب میں ایسے مسائل جو کتاب وسنت اور اھل السنۃ والجماعۃ کی مخالفت پر مبنی ہیں بھرے پڑے ہیں، بہر حال ان کے عقائد کو ان ہی کے کتب کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اصول کافی کتاب الحجۃ کے ایک باب کا عنوان "باب فرض الائمة" ہے اس باب کی ایک روایت ہے

(۱) عن ابی الصباح قال اشهدانی سمعت ابا عبد الله یقول اشهد ان علیا امام فرض الله طاعته، وان الحسن امام فرض الله طاعته وان الحسین امام فرض الله طاعته وان علیا بن الحسین امام فرض الله طاعته وان محمد بن علی امام فرض الله طاعته

(اصول کافی:۱۰۹)

ابوالصباح سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ابوعبداللہ امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ علی امام ہیں جن کی طاعت اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے، اور حسن امام ہیں جن کی فرمانبرداری اللہ جل شانہ نے فرض کی ہے، اور حسین امام ہیں جن کی اتباع اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے اور علی بن حسین (زین العابدین) امام ہیں جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے اور محمد بن علی امام باقر امام ہیں جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے۔

(۲) عن ابی الحسن العطار قال سمعت ابا عبد الله یقول اشرک بین الاوصیاء والرسول فی الطاعة

(اصول کافی:۱۱۰)

ابوالحسن عطار سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اوصیاء (ائمہ) کو اطاعت میں رسولوں کے ساتھ شریک کرو۔

اصول کافی کی ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ ائمہ کی اطاعت فرض ہے اور صرف فرض ہی نہیں ہے؛ بلکہ جس طرح رسولوں کی اطاعت فرض ہے اسی طرح اماموں کی اطاعت بھی فرض ہے۔

اصول کافی کتاب الحجۃ "باب مولد النبی ﷺ" میں محمد بن سنان سے روایت ہے کہ میں نے ابوجعفر ثانی (محمد بن علی تقی) سے حلال وحرام کے بارے میں شیعوں کے باہمی اختلاف کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

(۳) یا محمد ان اللہ تبارک و تعالیٰ لم یزل منفردا بوحدانیته ثم خلق محمدا و علیا وفاطمة مکثوا الف دهر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشهد هم خلقها واجریٰ طاعتهم علیها وفوض امورها الیهم

(اصول کافی: ۲۷۸، بحوالہ ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت)

اے محمد! اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی واحدانیت کے ساتھ منفرد رہا پھر اس نے محمد اور علی اور فاطمہ کو پیدا کیا پھر یہ لوگ ہزار قرن ٹھہرے رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر ان مخلوقات کی تخلیق پر ان کو شاہد بنایا اور ان کی اطاعت وفرمابرداری ان تمام مخلوقات پر فرض کی اور ان کے تمام معاملات ان کے سپرد کردیئے تو یہ حضرات جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کردیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں حرام کردیتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے۔

فروع کافی کتاب الموارث ''باب ان النساء لا یرثن من العقار شیئاً'' میں امام باقر کا قول نقل کیا ہے۔

(۴) النساء لا یرثن من الارض ولا من العقار شیئاً (فروع کافی: ص ۱۲۷، ج ۷)

عورتوں کو زمین اور جائداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

آخر الذکر دونوں شیعی روایتوں سے شیعوں کا چوتھا عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ائمہ مزعومہ کو تحلیل تحریم کا اختیار حاصل ہے اور اس اختیار کلی کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ قرآنی احکام کو بھی منسوخ کرسکتے ہیں جیسا کہ چوتھی روایت میں امام باقر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں کو منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا حالانکہ یہ قرآن کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے، قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے عورتوں کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں ربع ترکہ (چوتھائی) کا حقدار گردانا ہے اور صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کے آٹھویں حصہ کا مستحق قرار دیا ہے (سورۃ النساء)۔

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شخصیات

حیات شیخ الاسلام کے تابندہ نقوش

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

ہندوستان سے برطانوی حکومت کا خاتمہ اور ملک کی انگریزوں سے آزادی؛ انسانی تاریخ کا اک نہایت اہم اور ناقابل فراموش واقعہ ہے، جس نے نہ صرف انگریزوں کی اس زبردست طاقت وقوت کو توڑ کر رکھ دیا، بلکہ ہندوستان کے ساتھ ساتھ عرب ممالک کی سیاسی، ثقافتی اور آئینی تاریخ پر بھی ان مٹ نقوش چھوڑے؛ کیونکہ ہندوستان پر قبضہ کی وجہ سے انگریز، عرب ممالک پر بھی اپنے انداز کی حکومتیں کر رہے تھے، اور برٹش حکومت سپر پاور کی حیثیت سے پوری دنیا کو اپنے چنگل میں لئے ہوئے تھی، جیسے ہی ہندوستان سے برٹش حکومت کمزور پڑی اور پھر اس کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا تو نمایاں طور پر اس کی عالمی حیثیت بھی تبدیل ہو گئی۔

اس وقت وطن عزیز کی سنگین صورت حال کے پیش نظر حریت وآزادی کا یہ کام بڑا مشکل اور دشوار تھا، جو ہندو مسلم اتحاد کے علاوہ ایک عظیم حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا کرنے اور تدریجاً آزادی کی منزل تک پہنچنے کے لئے راہ ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ ایثار وقربانی کے بے پناہ جذبے، مشکل ترین حالات کو گلے لگانے کے غیر معمولی حوصلے، اور زبردست جرأت واستقامت کے بغیر ناممکن تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیتیں اس وقت کے علماء بالخصوص اکابر دیوبند کو عطا فرمائیں، جنہوں نے اپنی زندگی کی آسانیوں کو بھول کر وطن عزیز سے غیر ملکی سامراج کو ہٹانے اور مٹانے کا ارادہ کیا، ہندوستان میں تحریک آزادی کی بنیاد رکھی اور تقریباً ڈیڑھ سو سال میں انیس ہزار علماء نے جان ومال کی قربانی دے کر استخلاص وطن کی اس تحریک کو مضبوط کیا تب کہیں جا کر ۱۹۴۷ء میں وہ مرحلہ آیا کہ ملک آزاد ہو گیا۔

جدوجہد آزادی کی اس مفصل تاریخ میں بے شمار قدآور شخصیات گزریں جنہوں نے اپنے خون جگر سے چمنستان وطن کو سیراب کیا، دین ودنیا کے ہر مرحلے میں قوم وملت کی رہبری ورہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور ہر پیش آمدہ مصیبت پر بڑی بے جگری کے ساتھ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا؛ انہیں بے لوث قائدین اور مخلص

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

مجاہدین میں اک نمایاں نام شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا ہے، جنہوں نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں، یورشوں اور سازشوں کا انتہائی پامردی اور ہمت واستقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، حتی کہ برطانوی شہنشاہیت کا کروفر، تخت وتاج اور شاہی جلال وطنطنہ غرض ہر چیز ان کی غیرتِ ایمانی اور حمیت اسلامی کے آگے سرنگوں ہوگئی۔

مختصر سوانحی خاکہ:

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تاریخ ولادت ۱۹ رشوال المکرم ۱۲۹۶ھ ہے؛ آپ موضع الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام نامی سید حبیب اللہ بن سید پیر علی ہے۔ سینتیس ۳۷ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حسینؓ سے جا کر ملتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کے پاس حاصل کی۔ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں والد کے علاوہ والدہ سے بھی پڑھی۔ جس زمانے میں آپ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مالٹا میں قید تھے وہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔

جس وقت آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد اور اپنے شفیق استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ کی نگرانی میں درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کی۔

درسِ نظامی کی کچھ ابتدائی کتابیں شیخ الہندؒ نے آپ کو خود پڑھائیں۔ درسِ نظامی کی کتابیں جو سترہ فنون پر مشتمل تھیں آپ نے ساڑھے چھ سال میں مکمل کر لیں۔

درسی کتابوں کے علاوہ ابھی آپ طب، ادب اور ہیئت کی کچھ کتابیں پڑھ ہی رہے تھے کہ آپ کے والد سید حبیب اللہ صاحب نے مدینہ منورہ کی ہجرت کا ارادہ کر لیا اور آپ بھی اپنے والدین اور بھائیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ چلے گئے اور باقی کتابیں مدینہ منورہ کے مشہور ادیب حضرت شیخ آفندی عبد الجلیل بُرادہ سے پڑھیں۔

آپ کے خصوصی استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی تھی کہ پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا، چاہے ایک دو ہی طالب علم ہوں۔

اس لیئے آپ کا زیادہ تر وقت اس دوران حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس وتدریس اور قال اللہ وقال الرسول کے زمزموں میں بسر ہوا۔

علاوہ ازیں آپ تقریباً تیس سال دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے منصب پر فائز رہے اس کے علاوہ امروہہ، کلکتہ کے مدرسہ عالیہ اور سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں بھی آپ نے درس دیا۔

آپ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو خلافت سے نوازا نیز اپنے دستِ مبارک سے دستارِ خلافت بھی آپ کے سر پر باندھی۔

جدو جہد آزادی میں شرکت کے اسباب:

وہ کون سا جذبہ تھا؟؟ اور کیا اسباب تھے؟؟ جس نے پُرسکون گوشۂ عافیت کو ترک کر کے سمندر کے بپھرے ہوئے طوفان میں کود پڑنے پر مولانا کو مجبور کیا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرید الوحیدی لکھتے ہیں:

"مالٹا سے آنے کے بعد مدینہ طیبہ کا فوری ارادہ تھا اور وہاں سے اعزاء، بھائیوں، تلامذہ اور شاگردوں کا برابر اصرار بھی تھا کہ آپ واپس آجائیں؛ مگر حضرت کے نزدیک اس وقت دین وملّت اور قوم وملک کی خدمت ہندوستان میں زیادہ ضروری تھی

حضرت مولانا کی جنگ آزادی میں شمولیت کے سلسلے میں دو گوشے بطور اسباب ہمارے سامنے آتے ہیں، خارجی اور داخلی:

خارجی: عالمِ اسلام پر انگریزوں کے بے پناہ مظالم۔

داخلی: مادرِ وطن ہندوستان کے ساتھ دشمنوں کا نازیبا سلوک۔

خارجی کی تفصیل:

اسلامی ممالک کی شان وشوکت سے دنیا کی نظریں خیرہ ہورہی تھیں، اسلامی شعائر واحکام ہر طرف سربلند تھے، یہ ترقی یہ عروج خار کی طرح یورپ کی آنکھ میں کھٹک رہا تھا، عیسائی دنیا نے اپنے روایتی مکر وفریب، عہد شکنی اور دھوکہ دہی سے عالم اسلام کے قلب میں اپنے پنجے مضبوط کرنے شروع کر دیے، بہت جلد اسلامی سلطنتوں خصوصاً ترکی پر اپنی دشمنی، بدعہدی، فریب سازی اور بہانے بازی کے ذریعے قیامت کا وہ منظر پیش کیا کہ انسانی ذہن اُن مظالم کا تصور تک نہیں کرسکتا، جو مغرب کے بھیڑیوں نے مشرق کے مظلوموں کے ساتھ روا رکھے اور اُن کے جسم وجان، مال ودولت، عزت وآبرو کو لوٹا، برباد کیا، اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے ساتھ نفرت انگیزی میں ایسے ستم ڈھائے کہ خود عیسائی دنیا چلا اٹھی۔

انگریزوں کے مظالم کا یہ ایک ایسا طوفان تھا، جس نے پہلے شیخ الہند کے قلب کو پھر مولانا مدنی کے دل ودماغ کو انگریز دشمنی سے بھر دیا اور ایسی نفرت پیدا کی کہ دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ عداوت اس قوم سے ہوگئی کہ اپنے ملک میں اُن کا ناپاک وجود کسی طرح گوارا نہ تھا۔

دوسرا سبب داخلی تھا: یعنی اس کا تعلق اپنے وطن سے تھا اور اس نے بھی آپ کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶۰۰ / سے ۱۸۵۷ / تک پھر ۱۹۴۷ / تک مادرِ وطن پر سامراج کا بھیانک ظلم وستم، لوٹ کھسوٹ، اور استحصال کا خطرناک سلسلہ جاری تھا۔ مولانا کا ذہن اس بارے میں بہت حساس تھا اور احساس کی یہ شدت اُس ماحول کی دین تھی جو بچپن میں اسکول کے نصاب سے ان کے ذہن نے قبول کیا خود انھیں سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

"جب میں اسکول میں پڑھتا تھا تو مجھ کو تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی، ہندوستان کی پرانی عظمتوں اور جغرافیائی قدرتی ہمہ گیر برکتوں نے نہایت گہرا اثر کیا اور پھر اہل ہند کی موجودہ بے کسی کا اثر روز افزوں ہوتا رہا، اس زمانے کے ختم ہونے پر مجھ کو آزاد ممالک عرب، مصر، شام وغیرہ کی سیاحت اور قیام کی نوبت آئی، اس نے مجھ کو وطن کی محبت میں اور زیادتی پیدا کر دی اور اس احساس کو نہایت قوی کر دیا کہ آزادی کس قدر ضروری ہے اور بغیر آزادی کے کسی ملک کے باشندے کس قدر بے بس اور اپنے ملک کی قدرتی فیاضیوں سے محروم ہوتے ہیں۔" (بہ حوالہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد، فرید الوحیدی، ص ۱۶۷)

ہندوستان میں انگریزوں کے منحوس قدم آنے سے پہلے کی برکتوں اور اُن کے آنے کے بعد در آنے والی بدعنوانیوں کا موازنہ کرتے ہوئے حضرت مولانا بڑے بڑے جلسوں میں اعداد وشمار کے ساتھ گھنٹوں ہندوستان کے اقتصادی، معاشی، تجارتی اور صنعتی ترقی، اشیاء کی قیمتوں، بازار کے نرخ وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیتے، اس ضمن میں انگریزوں کے لوٹ کھسوٹ کی اور غریب ہندوستان پر ان کے مالی بوجھ کی داستان بھی بیان فرماتے؛ حضرت کی اِن تقاریر کے بعد عام ہندوستانیوں کے دل میں انگریزی حکومت کے خلاف شدید غصّہ، نفرت اور غیظ وغضب بھر جاتا۔ حضرت اس پر بہت زور دیتے تھے اور ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے میں دلچسپی کے حوالے سے یہ ایک تاریخی صداقت بھی تھی کہ "برٹش حکومت نے صرف ہندوستان پر حکومت اور طاقت کے بل پر ساری دنیا پر اپنی دھاک بٹھا رکھی ہے اور قبضہ کر رکھا ہے، جس دن ہندوستان سے اس کی حکومت ختم ہوگی ساری دنیا ایشیا، افریقہ عرب ممالک سے اس کا بوریا بستر گول ہو جائے گا" یہ فیصلہ تاریخ نے ثابت کر دیا، دنیا دیکھ رہی ہے آج برطانیہ کتنا سمٹ کر رہ گیا ہے۔

بہر حال یہ خارجی وداخلی محاذ پر دو ایسے المناک حادثے تھے جنھوں نے عبادت، ریاضت، تعلیم وتدریس حتی کہ حرم محترم اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ پاک سے دور رہ کر ہندوستان اور اسلامیانِ ہند کی خدمت پر آپ کو آمادہ کیا، خدا ہی جانتا ہے دیارِ محبوب سے دور رہ کر دلِ سوزاں اور قلب سوختہ جان کی حرارت کا کیا حال رہتا تھا۔

تصنیفی خدمات:

درس وتدریس، طریقت وتصوف، ملی اور سیاسی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ کی نمایاں خدمات ہیں، آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔"نقشِ حیات" جو دو جلدوں میں شائع ہے۔

۲۔" مکتوبات شیخ الاسلام" جس کی چار جلدیں ہیں۔

۳۔ بدعت کے خلاف آپ کی مشہور کتاب "الشہاب الثاقب"

۴۔ تعلیم ہند

۵۔اسیر مالٹا

۶۔متحدہ قومیت اور اسلام

۷۔ ایمان وعمل

۸۔ مودودی دستور وعقائد کی حقیقت

۹۔سلاسل طیبہ

۱۰۔کشفِ حقیقت

۱۱۔خطباتِ صدارت

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے بعد دار العلوم دیوبند کی علمی، عملی اور روحانی فضا میں حضرت مدنی کا نام سب سے نمایاں رہا۔ آپ نے بڑی ہمت، استقلال اور جرأت کے ساتھ دین کی اور ملک وملت کی بے شمار خدمات انجام دیں۔ زندگی بھر تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ اور متعلقین کی تربیت کا سلسلہ جاری رہا، اس طرح ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۷۷ ہجری کو علم وعمل اور فضل وکمال کا یہ نیر تاباں افق عالم پر اپنے ان مٹ نقوش چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شہر استبداد کے دیوار ودر ڈھاتا رہا
گم شدہ اسلام کی تصویر دکھلاتا رہا
ہیچ تھا اس کے لئے اندیشۂ دار ورسن
پائے استحقار سے دنیا کو ٹھکراتا رہا

تاثرات

دین میں غلو و تقصیر کی مذمت

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مدظلہ العالی کی تازہ تصنیف "غلو فی الدین" پر مدیر محترم کے تاثرات؛ جو دین میں اعتدال کی اہمیت وافادیت پر مشتمل ایک مضمون ہے، استفادہ کے مقصد سے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از: مرتب غفرلہٗ

اسلام کی بے شمار خوبیوں اور فطری ہم آہنگیوں میں سے ایک اعتدال وتوسط کی تعلیم بھی ہے؛ اسلام نے ہر کام میں اعتدال کو پسندیدہ اور افراط وتفریط، غلو وتقصیر کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے؛ کتاب وسنت اگرچہ کہ اس کی تعلیم سے مملو ہیں مگر اس وقت نمونے کے طور پر چند تعلیمات پیش کرتا ہوں۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ ربانی ہے جو امت کے اس امتیاز کو اس طرح ظاہر کر رہا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرۃ: ۱۴۳)

اے امتِ محمدؐ! ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے۔

یعنی ہم نے مسلمانوں کو پسندیدہ اور عادل قوم بنایا ہے، پس وہ دین ودنیا کے تمام کاموں میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ اعتدال پسند لوگ ہیں؛ ہر قسم کی مبالغہ آرائی اور افراط وتفریط سے دور ہیں، نہ اپنے دین اور عبادات میں غلو سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی کمی وکوتاہی کو راہ دیتے ہیں، نہ یہود ومشرکین کی طرح محض دنیا پرست ہیں اور نہ عیسائیوں کی طرح محض روحانیت زدہ ہیں، بلکہ جسم وروح کے حقوق کو جمع کرتے اور کسی ایک جانب ڈھل جانے سے بچتے رہتے ہیں۔ (التفسیر المنیر: ۱۰/۱۱۹)

سورۃ الاسراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دورانِ نماز اپنی آواز میں اعتدال قائم رکھنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ (سورۃ الاسراء)

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی نماز میں نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھئے نہ بالکل پست بلکہ درمیانی آواز رکھئے۔

اسی سورہ میں انفاق اور سخاوت میں اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے آپ ہی کو مخاطب فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ (سورۃ الاسراء)

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لیجئے اور نہ بالکل ہی کھول دیجئے کہ تہی دست وملامت زدہ ہو کر بیٹھ رہنا پڑے۔

اسی طرح سورۃ الفرقان میں اپنے نیک اور پسندیدہ بندوں کی تعریف کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ (سورۃ الفرقان)

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو اس میں نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں بلکہ درمیان کی راہ چلتے یعنی توسط واعتدال اختیار کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں سے سب سے پہلی آیت میں اس امت کا امتیاز اور اس کی خصوصیت ہی توسّط واعتدال سے متصف ہونا قرار دیا ہے اور بقیہ تینوں آیات میں اعمالِ صالحہ میں عدل واعتدال کی تعلیم فرمائی گئی ہے، یہ تو تھیں آیاتِ قرآنیہ؛ اس سلسلے میں تعلیماتِ نبویہ بھی بے شمار وارد ہوئی ہیں؛ چند ایک ان میں سے بھی ذیل میں درج کرتا ہوں

ترمذی میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں مگر حضرت ابوبکرؓ بالکل خاموش انداز میں تلاوت کر رہے ہیں اور حضرت عمرؓ بہت بلند آواز سے؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو تاکید کی وہ اپنی آواز ذرا بلند کر لیں اور حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی آواز کچھ پست کر لیں؛ اس طرح دونوں کو اعتدال کی روش سکھائی (ترمذی: ۴۴۷)

بخاری میں ہے کہ کسی صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل روزہ رکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس کی اجازت نہیں دی؛ البتہ ان کے ذوقِ عبادت کو دیکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: اگر ایسا ہی جی بہت چاہتا ہے تو صوم داؤدی کا اہتمام کر لو، یعنی ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو۔ (بخاری: ۱۹۳۸)

بخاری میں ہے کہ کچھ لوگ ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت گذاری کی تفصیل معلوم کی، جب حضرت عائشہؓ نے آپ کے معمولاتِ شبانہ روز سے انہیں مطلع کیا گیا تو ان لوگوں کو بظاہر یہ بہت کم مقدار معلوم ہوئی؛ پھر ان لوگوں نے اپنی فہم سے یہ طے کیا کہ بھئی یہ تو نبی کا معاملہ ہے، وہ تو پہلے ہی سے بخشے بخشائے ہیں، ہماری ان سے کیا نسبت؟ ہمیں اپنے حساب سے جس قدر زیادہ ممکن ہو عبادت کرنی چاہیئے؛ چناں چہ ایک نے یہ طے کیا کہ میں عمر بھر روزہ رکھوں گا، کبھی ناغہ نہ کروں گا، دوسرے

نے یہ کہا کہ میں عمر بھر شب بیداری کروں گا کبھی نہ سوؤں گا، تیسرے نے کہا میں عورتوں سے ہمیشہ علاحدہ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے ان لوگوں کو طلب کر کے اس واقعے کی تحقیق کی اور پھر اس غلو پر تنبیہ کی؛ اس کے بعد فرمایا: بخدا! میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، مجھے دیکھو میں کبھی روزہ رکھتا ہوں کبھی نہیں بھی رکھتا ہوں، رات کو عبادت بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں، میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر دکھایا ہے جو شخص میرے طریقے کے خلاف چلے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

(ابن حبان: ۱/ ۱۹۴)

مسند احمد میں ہے کہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے اور بہت تیز تیز چل رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: علیکم القصد یعنی میانہ روی سے لے جاؤ اس جلد بازی کی کیا ضرورت ہے۔ (مسند احمد: ۷/ ۱۵۳)

مسلم میں ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور خطبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بھی معتدل ہوتی تھی اور خطبہ بھی معتدل، یعنی نہ اتنا طویل کہ گرانی ہونے لگے نہ اتنا مختصر کہ پوری بات بھی سمجھ میں نہ آسکے۔ (مسلم: ۱/ ۲۸۴)

مسندِ احمد میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس طرح نماز پڑھی کہ سجدے پر سجدے کئے جارہا ہے؛ آپ نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: علیکم هديا قاصدا یعنی ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال وتوسط اپنے اوپر لازم کرلو، نہ جلد بازی ہونی چاہیئے نہ سست روی! (مسند احمد ۹/ ۱۱)

مسند احمد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اخراجات میں میانہ روی اور توسط واعتدال کا اہتمام کرتا ہے وہ کبھی محتاج اور دست نگر نہیں ہوتا۔ (مسند احمد: ۲/ ۱۵۸)

اسی طرح بیہقی کی روایت میں ہے کہ اخراجات میں میانہ روی آدمی کی نصف آمدنی ہے۔

(شعب الایمان: ۸/ ۶۱۴۸)

مسند بزار میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مالداری میں اعتدال پسندی کتنی عمدہ بات ہے، ناداری وغربت میں اعتدال پسندی کتنی عمدہ بات ہے، عبادات میں اعتدال پسندی کتنی عمدہ بات ہے؛ یعنی ہر حال میں غلو ونقص اور افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال وتوسط کی راہ اختیار کرنا سب سے اچھا طریقہ ہے۔

(التفسیر المنیر: ۱۰/ ۱۱۹)

بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد کچھ عاملین کو ان کی وصولی کے لئے روانہ فرمایا تھا، انہیں آپ نے وصولی کے جو اصول وضوابط بتلائے ان میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے مال میں

سے زکوٰۃ اور عشر میں بہت عمدہ چیزیں بھی نہ لینا بہت گھٹیا بھی نہ لینا، درمیانی قسم کا مال وصول کرنا۔

(بخاری: ۱/۳۰۱)

یہ اور اس قسم کی بیسیوں روایات ہیں جو اسلام کے نظامِ عدل واعتدال کا واضح پتہ دیتی ہیں کہ اسلام نے عقیدہ، عبادت، معاملت، معاشرت، سیاست وحکومت غرض کسی بھی شعبے میں مسلمانوں کو غلو ومبالغہ یا تقصیر وتفریط کی اجازت نہیں دی، تمام امور میں خیر الامور اوساطھا پر عمل درآمد کیا اور کرایا اور ایاکم والغلو فی الدین کہہ کر ہر طرح کی مبالغہ آرائی اور حد سے تجاوز کو ممنوع کر دیا، اسی حقیقت کو امام ابوجعفر طحاویؒ نے عقائدِ اسلامی پر مشتمل اپنی کتاب ''عقیدۃ الطحاوی'' کے اختتام میں بطور خلاصہ کے یوں فرمایا: دین اللہ فی الارض والسماء واحد، وھو دین الاسلام، وھو بین الغلو والتقصیر۔ یعنی اللہ کا مقبول دین ارض وسماء میں صرف اسلام ہے جو ہر غلو وتقصیر سے پاک اور ان کے درمیان ہے۔

ان سب تعلیمات کے باوجود آج مسلمانوں کے اپنے دین کے معاملے میں غلو وافراط اور تفریط وتقصیر دونوں بیماریاں نہ صرف یہ کہ پیدا ہوگئی ہیں بلکہ دن بہ دن بڑھتی جارہی ہیں؛ دنیاداروں اور دین بیزاروں کو تو چھوڑیئے خود دین داروں اور اسلام پسندوں کی صورتحال یہ ہے کہ عام طور سے وہ یا افراط میں مبتلا ہیں یا تفریط کے شکار؛ مساجد ہوں کہ مدارس، جماعتیں ہوں کہ انجمنیں اور ادارے، تدین کا معاملہ ہو یا تمدن کا مسئلہ، شخصی افکار ہوں یا اجتماعی کردار ہر جگہ اور ہر معاملے میں عموماً یہی صورتحال نظر آرہی ہے؛ وسط وعدل کا دامن تھامنے اور اپنی نظر وفکر سے لے کر علم وعمل تک غلو وتقصیر سے پاک رہنے والے خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں، جو افسوسناک ہی نہیں نہایت خطرناک صورتحال ہے؛ ایسے حالات میں امت کو اس صورتِ حال اور اس کے سنگین نتائج سے خبردار کرنا اور دین کے ہر معاملے میں صراط مستقیم اور راہِ اعتدال اختیار کرنے کی دعوت دینا نہایت ضروری امر اور علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔

ہمارے بزرگ عالمِ دین اور جنوبی ہند کے عظیم محقق ومفتی حضرت مولانا شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی کو اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے وقت کے اس حساس اور ضروری موضوع پر قلم اٹھایا، اور ''غلو فی الدین'' کے نام سے ایک اہم کتاب لکھدی؛ اس کتاب میں موضوع کے تمام ذیلی وضروری عنوانات مثلاً دین میں غلو کی مذمت، غلو کے اسباب وعلل، غلو وتقصیر کی تعریف، ان کے صدور کے ممکنہ مقامات اور دورِ حاضر میں ان کی رائج مثالیں وغیرہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے؛ ضرورت ہے کہ دین دار طبقہ بالخصوص اس کا مطالعہ کرے تاکہ علم وعمل میں مطلوب اعتدال پیدا ہو اور غلو وتقصیر میں ابتلاء سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اعمال میں قبولیت کی شان پیدا ہو۔

احوال وکوائف

ادارہ کے شب روز

مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

ماہِ رمضان میں ادارہ کی متعدد خدمات

● ادارہ ہذا کی مسجد اشرف میں گذشتہ سال متعدد علاقوں سے آئے ہوئے سالکین و معتکفین کو حضرت مدیر محترم مدظلہٗ کے ساتھ اعتکاف کی عبادت میں اپنی تربیت واصلاح کا موقعہ بہ مشیتِ ایزدی میسر نہ آسکا تھا؛ اس مرتبہ اُنھیں یہ موقعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عطا فرمایا، بڑی تعداد میں معتکفین یہاں جمع ہوئے اور عشرۂ اخیرہ میں حضرت والا مدظلہ سے مستفید ہوتے رہے، محترم حضرت قادر معین الدین صاحب مدظلہٗ معتکفین کے معمولات وانتظامی امور کے ذمہ ونگران رہے، مسنون اعتکاف میں شرکت کرنے والوں کی تعداد 250 رہی، نفل اعتکاف میں شریک ہونے والے اس کے علاوہ ہیں۔ ظہر سے قبل روزانہ نماز کی عملی مشق وتعلیمی حلقے، بعد ظہر تعلیم کتاب واصلاحی بیان، بعد عصر ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد تراویح بیانات کا معمول رہا، جس میں اصلاحِ معاشرہ وتزکیہ نفس اور حقوق العباد سے متعلق اسلامی احکامات بتلائے جاتے رہے

● ادارہ ہذا کی شاخ ادارہ امداد العلوم نارائن کھیڑ کے اطراف واکناف میں موجود دیہات وقصبہ جات جہاں سال بھر مکاتب دینیہ کا نظام جاری رہتا ہے، وہاں کے غریب مسلمانوں کے گھر عید کی خوشیاں پہنچانے کے مقصد سے گذشتہ ۶ رسال سے ادارہ سے کم وبیش ہزار ''تحفہ عید'' کے پیاکج کی تقسیم عمل میں آتی ہے، اس سال بھی مخلصین ومحبین کے تعاون سے الحمدللہ ۱۵۰۰ رمکانات تک ''تحفۂ عید'' کے ان پیاکجز کو پہنچانے کا اہتمام کیا گیا۔

● ادارہ ہذا نے ماہِ رمضان کی مناسبت سے ''احکام رمضان'' رومن انگریزی اور تلگو زبان میں، ''مسنون دعائیں'' کے نام سے اردو میں، اور ''مسنون دعاؤں کا ترجمہ'' تلگو زبان میں پاکٹ سائز کتابچہ، اور سالکین اور عامۂ مسلمین کیلئے یومیہ ترتیب ''اعمال رمضان'' چار ورق پر مشتمل مضمون شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

اللہ تعالیٰ جملہ خدمات ومساعی کو شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

سب سے بڑے سعودی امدادی جہاز کی یمن میں آمد

یمن کے شہر عدن کی بندرگاہ پر سعودی عرب کا سب سے بڑا امدادی بحری جہاز پہنچا، اس جہاز میں 2800 ٹن کی ایک لاکھ غذائی اجناس کی تھیلیاں، 450 ٹن کھجور، اور 90 ٹن کے دیگر امدادی اور ضروری طبی سامان موجود تھے، جملہ غذائی اجناس کا تخمینہ 3340 ٹن ہے، ان امدادی اشیاء سے منصورہ، شیخ عثمان البریقہ، دارسعد، خورمکسر، المعلا اور نواہی کے علاقوں کے اہلیاں استفادہ کریں گے، ''درب الخیر'' نامی یہ بحری جہاز امدادی اور انسانی ہمدردی کے لئے قائم شاہ سلمان کے مرکز کے ان پروگراموں کا ایک حصہ ہے جس میں بری و بحری ذرائع سے مربوط کاروائیاں پایہ تکمیل کو پہنچائی جارہی ہیں۔

(روزنامہ منصف، ۲۷ر جولائی ۱۵ء)

اسرائیلی پولس مسجدِ اقصیٰ میں داخل:

اسرائیلی پولیس کے مسجد اقصیٰ پر حملے کے بعد مسجد میں موجود فلسطینی نمازیوں اور پولیس کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، اسرائیلی پولیس نے مقبوضہ بیت المقدس کے پُرانے شہر اور مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد سیکیورٹی ہائی الرٹ کردی ہے کیوں کہ اُنہیں خدشہ ہے کہ یہودی آبادکاروں کی جانب سے ہیکل کی تباہی کی منائی جانے والی برسی کی مناسبت سے فلسطینیوں اور یہودی آبادکاروں کے درمیان جھڑپیں ہوسکتی ہیں، اسرائیلی پولس نے ۵۰ سال سے کم عمر کے فلسطینیوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکدیا، سینکڑوں یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ کے دروازوں کی طرف ریالیاں نکالیں اور پھر دیوار البراق کی جانب مارچ کیا۔

(روزنامہ منصف: ۲۷ر جولائی ۱۵ء)

تہران میں اہل سنت کی اکلوتی مسجد شہید کردی گئی:

ایران کے دارالحکومت تہران کی ضلعی حکومت نے پولیس کی حمایت سے بلدیہ میں قائم اہل سنت والجماعت مسلک کے مسلمانوں کی اکلوتی مسجد کو شہید کردیا، مسجد کی مسماری سے قبل اسی مسجد کے امام مولوی عبیداللہ موسیٰ زادہ کی جامہ تلاشی لی گئی، بعد ازاں بغیر کسی اطلاع اور وجہ بتائے مسجد کو شہید کردیا جس پر مقامی علماء اور شہریوں نے شدید احتجاج کیا ہے، بلکہ تہران حکومت کی اشتعال انگیز کاروائی کے خلاف سنی اکثریتی صوبہ بلوچستان کی مرکزی جامع مسجد کے امام وخطیب مولوی عبدالحمید اسماعیل زئی نے رہبر انقلاب اعلیٰ آیت اللہ علی خامہ ای کو ایک مکتوب ارسال کیا جس میں ان سے مسجد کی شہادت پر سخت احتجاج کرتے ہوئے مسجد کی فوری تعمیر کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ قابل مذمت واقعہ ایسے وقت پیش آیا جب کہ عالم اسلام پہلے انتہاء پسندی اور فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا ہے، ایسے میں کسی خاص مسلک کی عبادت گاہ کو نشانہ بنانا فرقہ واریت کو ہوا دینے کے مترادف ہے۔ یہ جامع مسجد ماضی میں ایرانی حکام کی دست بُرد کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ (روزنامہ منصف ۳۱ر جولائی ۱۵ء)

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا